ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۲۸ / فروری ۹۶ء

☆ بے نظیر اور نواز شریف دونوں نیو ورلڈ آرڈر کے بندے ہیں

☆ جو اصل نظریہ پر قائم ہیں ان کا وسیع تر فورم ہونا چاہئے

☆ بھارت کی عدالت عظمیٰ ایک مثال قائم کر رہی ہے !

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

کیا پایا کیا کھویا !

عنوانی جملے کی ترتیب عام طور پر یوں ہوتی ہے "کیا کھویا کیا پایا" مگر ہم نے عمومی ترتیب اس لئے بدل دی کہ جس متبرک مہینے سے متعلق بات کرنا مقصود ہے اس میں پا لینے کا امکانات کہیں زیادہ تھے۔ گزشتہ ہفتے رمضان المبارک کا مہینہ مکمل ہوا۔ اس مہینے کا آخری ہفتہ امت مسلمہ کے حوالے سے کئی اہمیتوں کا حامل تھا۔ اولاً ۲۶ رمضان المبارک دنیا میں بسنے والے ایک ارب ۲۵ کروڑ مسلمانوں کے لئے جمعتہ الوداع تھا۔ دوم ۲۷ رمضان المبارک ہی کے روز معرض وجود میں آنے والے اسلامی ملک پاکستان کے ۵۰ سال مکمل ہوئے۔ سوم ۲۵ رمضان المبارک یعنی ۱۵ فروری کے دن ۸ سال قبل روسی شکست خوردہ افواج کا سرزمین افغانستان سے انخلاء مکمل ہوا تھا۔ چہارم ۲۱ رمضان المبارک کے دن یعنی ۱۱ فروری کو اسلامیہ جمہوریہ ایران کے عظیم اسلامی انقلاب کے ۱۷ سال مکمل ہوئے۔ اور پنجم بیت المقدس کی بازیابی کے لئے کی جانے والی کوششوں کے ساتھ مکمل یکجہتی کے اظہار کے طور پر وطن عزیز میں ۲۲ تا ۲۶ رمضان المبارک مذاکرے ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔

جمعتہ الوداع نے مسلمانوں کو ایک ایسے مہینے کے اختتام پذیر ہونے کا احساس دلایا کہ جو از خود نیکی کا موسم تھا' جس میں گزشتہ تمام گناہوں کی بخشش کی نوید پیش نظر تھی' جس میں رحمت الٰہی رحمت کے طلبگاروں کو تلاش کرتی ہے' جس میں نیکی کے اجر کی کوئی حد نہیں' جس میں ایک رات ایسی کہ اس کی نعمت ہزار مہینوں کی نعمت سے بہتر۔ اس احساس کے اجاگر ہونے پر شعور نے تقاضا کیا کہ ہر مسلمان انفرادی سطح پر' امت مسلمہ کی ہر اکائی اپنی جگہ پر' اور امت مسلمہ من حیث القوم دیانتدارانہ انداز سے سوچے کہ فیض عام کے اس متبرک مہینے میں ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا۔ اور یہ کہ محاسبہ ایمان و احتساب کی روشنی میں کیا جائے۔ جس قوم کے کاندھوں پر دنیا کی راہنمائی اور انسانیت کی اصلاح کی ذمہ داری کا بوجھ ہو وہ قوم مادر پدر آزاد خوشیاں نہیں مناتی بلکہ غور و فکر کی عمیق گہرائیوں میں جا کر حسن عمل کی روشنی کے لئے چمکدار موتی تلاش کر لاتی ہے۔

لازم ہے کہ ہر مسلمان اپنے گریبان میں جھانکے کہ ایمان اس کے دل میں واقعی داخل ہوا یا نہیں (القرآن' سورۃ الحجرات' آیات ۱۴'۱۵)۔ یہ بھی دیکھے کہ کیا اس متبرک مہینے کے تربیتی پروگرام کے نتیجے میں وہ اب بہتر انسان ہے' کیا اس نے نیکو کاری اختیار کرنے کا عزم کیا ہے' اور کیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا خوف اس کی سوچ میں اجاگر ہوا ہے؟ (البقرۃ: ۱۸۳)۔ جہاں تک نصف صدی پر محیط پاکستان کی قومی زندگی کا تعلق ہے اختصار مگر انتہائی دکھ کے ساتھ یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ ہم نے پایا تو اتنا ہی کہ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنا ڈالا لیکن کھویا یہ کہ ملک کے آدھے حصے نے ہم سے اغیار کے سہارے علیحدگی اختیار کر لی۔

مسئلہ افغانستان نہ صرف پاکستان کے لئے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے باعث خفت ہے۔ دنیا کے مسلمان افغانستان میں موجودہ خانہ جنگی اور اپنی بے حسی و بے عملی کی خجالت کے پیش نظر جو تاویل بھی پیش کریں اغیار کے اس طعنے کا موثر جواب نہیں دے پاتے کہ افغانستان میں روس کی شکست کا سہرا امریکہ کے سر ہے جو افغانیوں اور پاکستان کو اسلحہ اور پیسے کے لالچ میں استعمال کرتے ہوئے اپنے حریف کو توڑ پھوڑ کر دنیا کی اکیلی سپر پاور بن بیٹھا اور اب بین الاقوامی پولیس مین کا کردار ادا کرنے کے زعم میں سرشار ہے۔ اس عالمی پولیس مین (امریکہ) کا اگر کوئی اسلامی ملک منہ چڑانے کے قابل ہے تو وہ صرف ایران ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے ایران کی ہوش مندی کو دبانے کے لئے کھلے بندوں خطیر رقم مختص کر دی ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی دلیرانہ حکمت عملی ہی لائق تحسین نہیں بلکہ جس کامیابی سے اسلامی انقلاب برپا کیا گیا وہ امت مسلمہ کے لئے بہترین نمونہ بھی ہے۔ ایک صورت حال جو امت مسلمہ

(بقیہ صفحہ ۴ پر)

قیمت : ۸ روپے

الھدیٰ

حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پس جہاں تک تمہارے بس میں ہو' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو

(ثمراتِ ایمانی کے دلنشین بیان کے بعد اب عمل کی دعوت جاری ہے اور کس قدر موثر اسلوب ہے کہ جتنا بھی تمہارے حد امکان میں ہے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اس کی حکم عدولی سے بچو اور اس کے غضب سے ڈرتے رہو کہ یہ تقویٰ ہی دراصل وہ قوتِ محرکہ ہے جس کی بدولت ایمان کے بلند ترین مراتب تک رسائی ممکن ہے)

اور سنو اور اطاعت کرو

(جب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے تو اطاعت کے معاملے میں حیل و حجت کیسی! خواہ کسی حکم کی علت و حکمت سمجھ میں آئے خواہ سمجھ میں نہ آئے' اطاعت سے کسی طور مفر نہیں۔ سمع و طاعت کے خوگر بننے ہی میں عافیت ہے کہ یہ معاملہ دین کے نظام اطاعت میں نہایت اہمیت کا حامل ہے)

اور خرچ کرو' یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے

(کہ اللہ نے جو مال و منال اور صلاحیتیں اور استعدادات عطا کی ہیں' بلاشبہ ان کا بہترین مصرف یہی ہے کہ انہیں اللہ ہی کی راہ میں لگایا جائے کہ یہی انفاق جان و مال دراصل آخرت میں پونجی اور سرمائے کا کام دے گا)

اور جسے جی کے لالچ سے بچالیا گیا تو وہی ہیں کامیاب ہونے والے O

(حرص و طمع ہی تمامتر فساد نفس کی جڑ ہے۔ تو جو خوش نصیب اللہ کی توفیق و تائید کے سہارے نفس کے اس گرداب سے بچ نکلا اس کے لئے کامیابی اب گویا دو قدم کی مسافت پر ہے)

اگر تم اللہ کو قرضِ حَسَن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا' اور اللہ بڑا قدر دان اور بُردبار ہے O

(یہ اللہ کی قدر دانی نہیں تو اور کیا ہے کہ اگرچہ تم اس کا مال اسی کو لوٹاتے ہو لیکن وہ اسے اپنے ذمے نہ صرف یہ کہ قرض قرار دیتا ہے بلکہ اس کا وعدہ یہ ہے کہ وہ اس "قرض" کو کئی گنا بڑھا کر تمہیں لوٹائے گا اور اس پر مستزاد یہ کہ تمہاری خطاؤں کو بھی معاف فرمادے گا)

وہ حاضر و غائب ہر چیز کو جانتا ہے' زبردست ہے' کمال حکمت والا O

(جس ہستی کی رضا کی خاطر تم انفاق جان و مال کر رہے ہو' اطمینان رکھو کہ وہ ہر شے سے باخبر بھی ہے' سب پر غالب و حاکم بھی ہے اور انتہائی حکیم و دانا بھی) (سورۃ التغابن' آیات ۱۶' ۱۷' ۱۸)

جوامع الکلم

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جہاں کہیں بھی تم ہو' اور اگر برائی کا صدور ہو جائے تو فوراً کسی نیکی کا اہتمام کرو' وہ نیکی اس برائی کے اثرات کو زائل کر دے گی اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

(کہ یہی لسان نبوت سے جھڑنے والے حکمت و دانائی کے وہ پھول ہیں جن کے بارے میں خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مجھے انتہائی جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں۔")

(جامع ترمذی بروایت حضرت معاذ بن جبلؓ)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۹

۲۸ / فروری ۹۶ء

5

مدیر : حافظ عاکف سعید
معاون مدیر : نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ - اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت
۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳/امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
3.3.96

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

تبدیلی ناگزیر ہے

پچھلے دنوں سابق [illegible] کی دہلی میں راجیو گاندھی فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ایک سیمینار سے خطاب اور بھارتی روزنامہ بزنس سٹینڈرڈ کے ساتھ انٹرویو، جس میں مبینہ طور پر کشمیر کو ایک مقررہ مدت تک اقوام متحدہ کی نگرانی میں دینے اور وہاں خود مختار حکومت بنانے کا موقع دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی موضوع بحث بنا رہا ہے۔ بعض حلقوں میں جن میں حکومتی حلقے پیش پیش ہیں اس پر خاصی لے دے ہوتی رہی ہے جس پر ڈاکٹر صاحب کو کئی مرتبہ اپنے بیان کی وضاحت پیش کرنا پڑی ہے۔ انہی دنوں اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ اسلام آباد میں پیپلز فورم کے زیر اہتمام منعقدہ ایک تقریب میں پیش آیا اس پر بھی شدید رد عمل کا اظہار ہوا ہے۔ ان میں بظاہر جو مشترک بات نظر آتی ہے وہ بھارت کے ساتھ مفاہمت کی ہے۔ پاک بھارت تعلقات اور مسئلہ کشمیر اب تک انتہائی حساس نوعیت کے حامل رہے ہیں۔ اندرون ملک کم و بیش یہی معاملہ عدلیہ اور دفاعی افواج کا ہے جن کے بارے میں سرکاری موقف سے ہٹ کر کوئی رائے یا تجویز پیش کرنا خلافت مصلحت ہی نہیں ملک و قوم سے غداری اور اس کے خلاف سازش قرار پاتا ہے۔ لیکن محسوس ہوتا ہے کہ اس صورت میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے اور دبے الفاظ میں سہی یہ موضوع زیر بحث آنے لگے ہیں۔ اس تبدیلی کے اسباب اور نتائج مثبت اور منفی دونوں ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ خود حکومت کے نزدیک ان معاملات کی وہ اہمیت باقی نہ رہی ہو جو اب تک ضروری سمجھی جاتی تھی یا یہ کہ یہ حکومت اور حکومتی اداروں کی کمزوری کا نتیجہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان معاملات کو ایک مخصوص طبقے کی بالادستی قائم کرنے کے لئے تقدس کا درجہ دے دیا گیا تھا جسے ہمیشہ برقرار رکھنا ممکن نہ تھا۔ (واللہ اعلم) بہرحال ان باتوں سے قطع نظر یہ احساس اب زور پکڑتا دکھائی دیتا ہے کہ پاکستان کے قیام کے جو مقاصد عوام کے ذہنوں میں تھے وہ قطعاً پورے نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس عوام کی مشکلات اور مصائب میں مسلسل اضافہ ہوا ہے گویا یہ عرصہ جو اس ملک کی تعمیر نو کے لئے صرف ہوتا ہم نے سراسر ضائع کر دیا جو ایک قومی جرم ہے۔ لہٰذا یہ شعور پیدا ہو رہا ہے کہ بہت ہو چکا، اب یہ ڈرامہ ختم ہونا چاہئے۔ تاہم اس ضمن میں ایک ایسے شخص کی طرف سے اقوام متحدہ کی "خدمات" حاصل کرنے کی تجویز تعجب خیز ہے جس کی خود اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اقوام متحدہ کے ساتھ بسر ہوا ہے جبکہ اب تو اقوام متحدہ کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ اس کا بڑی طاقتوں کا آلہ کار ہونا تو پہلے بھی سمجھ میں آنے والی تھی لیکن بڑی طاقتیں اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے اسے اپنے ہاتھوں رسوا کریں گی اس کا ایک عام آدمی کو اندازہ نہ تھا۔ صومالیہ اور اب بوسنیا سے جس طرح اقوام متحدہ کو بے آبرو کر کے نکالا گیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اس وقت ملک میں تبدیلی کے لئے جو فضا محسوس کی جا رہی ہے اس کا ایک عملی مظہر عمران خان کا سیاست میں آنے کا حالیہ فیصلہ ہے۔ ہمارے پاس ایسی معلومات تو نہیں ہیں جن کی بنا پر اس تبدیلی کے بارے میں کوئی مثبت یا منفی رائے ظاہر کر سکیں جس کی توقع عمران خان کے سیاست میں آنے سے ہو سکتی ہے البتہ ایک بات خاصے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ عوام کی اکثریت کو اپنے ساتھ ملا کر ان سے کام لینے کی صلاحیت ان میں موجود ہے ویسے بھی اس صلاحیت کے بغیر ان کے لئے اپنی کرکٹ ٹیم کو جس کے وہ کپتان رہے ہیں بہترین سطح پر پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ اگرچہ اس صلاحیت کے علاوہ ملکی معاملات کا کرکٹ سے کوئی واسطہ تو کیا آپس میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ مزید برآں عمران خان کچھ عرصے سے پاکستان کے عوام اور اسلام کے ساتھ اپنی جس دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں اس کے بارے میں بھی شک کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے۔ اسلام نہ تو کسی کی میراث ہے اور نہ ہی کسی شخص یا گروہ کو اسلام کے بارے میں اجارہ داری حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ جس سے بھی اپنے دین کا کام لینا چاہے اسے اس پر قدرت حاصل ہے۔ البتہ عمران خان کے اپنے جو بیانات ان دنوں اخبارات میں آئے ہیں ان سے کسی مثبت بنیادی تبدیلی کا عندیہ نہیں ملتا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ موجودہ حکومت ان کے کینسر ہسپتال کے کام میں روڑے اٹکاتی رہتی ہے اس لئے انہیں مجبوراً سیاست میں آنا پڑا ہے، ظاہر ہے یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے توقعات وابستہ کی جائیں۔ دوسری جانب دیکھا جائے تو حکمران طبقے کو ان سے جو تشویش لاحق ہے وہ بلاوجہ نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ اگر عمران خان واقعتاً کسی بامقصد پروگرام کے ساتھ آگے آتے ہیں تو بے نظیر صاحبہ اور نواز شریف صاحب کی آپس کی ساری دشمنیاں دور ہونے میں دیر نہیں لگے گی اس لئے کہ پاکستان سے جاگیرداری اور سودی نظام کا خاتمہ کئے بغیر یہاں کسی مثبت تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ایسی تبدیلی چونکہ حکمران طبقے کے لئے کھلا چیلنج ہو گی اس لئے وہ یکجا ہو کر مقابلہ کرے گا۔

"پاکستان اسلامی انقلاب پارٹی" کے نام سے ایک نئی جماعت کے قیام کی کوششوں کی خبر بھی آئی ہے جو پاکستان میں نظام اسلام کے قیام' کشمیر کی آزادی اور افغانستان کا مسئلہ حل کرنے کے لئے جدوجہد کرے گی۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گزشتہ دنوں امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد نے مذہبی سیاسی جماعتوں کے اتحاد کے لئے جو تجاویز پیش کی تھیں ان کے نتیجے میں یہ کوششیں روبہ عمل لائی جا رہی ہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بہت پہلے اس کی توقع رکھتے تھے چنانچہ ستمبر ۱۹۹۲ء کی ان کی ایک تحریر سے اقتباس نقل کرنا بے جا نہ ہو گا۔

"اندریں حالات نظر یہی آ رہا ہے کہ تاریخ کا جبر ہماری قومی زندگی کے سفینے کو کھلے اور عریاں سیکولرزم کی جانب دھکیل دے گا.... (لیکن) پاکستان کی قومی زندگی کا یہ دور عارضی ہو گا اور اس شر سے ان شاء اللہ جلد ہی یہ خیر برآمد ہو جائے گا کہ یہاں کی مذہبی اور بالخصوص احیائی قوتوں کو "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!" -- اور ۔ "تو نے اچھا ہی کیا دوست سہارا نہ دیا۔ مجھ کو لغزش کی ضرورت تھی سنبھلنے کے لئے!" کے مصداق ہوش آ جائے گا اور وہ اپنے طریق کار پر نظر ثانی کے لئے آمادہ ہو جائیں گے اور وہ صورت پیدا ہو جائے گی کہ ۔

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی۔"

اگرچہ تاحال ان کوششوں کے بارے میں کوئی واضح نقشہ تو سامنے نہیں آیا لیکن کم از کم اتنا ضرور ہے کہ یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ تبدیلی بہرحال ناگزیر ہے۔

دنیا میں مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے۔ فلسطین' کشمیر' بوسنیا اور چیچنیا کے مسلمان کس بربریت اور درندگی کا شکار ہیں یا الجزائر اور مصر جیسے ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے' پاکستان میں حالات کس طرف جا رہے ہیں' ایک طرف دہشت گردی اور جرائم کا سلسلہ ہے کہ کسی شہری کی جان اور مال محفوظ نہیں تو دوسری طرف لوگ مہنگائی اور وسائل کی کمی کے ہاتھوں لاچار ہیں لیکن حکمرانوں اور مراعات یافتہ طبقے کی جس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے دنیا ہی الگ ہے۔ اس کا اپنا کلچر' اپنے مشاغل' اپنی دلچسپیاں ہیں۔ ایک چھوٹی سی خبر تھی کہ ورلڈ کپ کے موقع پر منعقد کئے جانے والے (اندرون شہر لاہور) بسنت میلہ کے روز ایک لاکھ کے قریب پتنگیں اور ڈور مفت تقسیم کی جائیں گی' علاوہ ازیں خواتین کی دلچسپی بڑھانے کے لئے پیلے رنگ کی چوڑیاں' دوپٹے اور مہندی بھی مفت تقسیم ہو گی۔ ملک کے عام حالات کے ساتھ اس طبقے کو جو مناسبت ہو سکتی ہے اس کا اندازہ اس خبر سے کیا جا سکتا ہے۔

بھارت کا جہاں تک تعلق ہے اس کا تو اب کم و بیش ہر شخص اقرار کرتا ہے کہ وہ ایک طاقت بن چکا ہے۔ البتہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے غزوۂ بدر کی مثال لائی جاتی ہے' اس سے کم تو ہمارا مقام کہیں ٹھہرتا ہی نہیں۔

بقیہ : حدیث امروز

کے لئے سوہان روح سے کم نہیں وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل جسے قرآن نے اللہ کی مغضوب قوم کہا اور جن پر ذلت و خواری اور پستی و بدحالی مسلط کر دی گئی تھی انہوں نے اللہ کے ہاں بہترین قوم کہلانے والی امت مسلمہ کی ایک اکائی فلسطینیوں کا طویل مدت تک ناک میں دم کئے رکھا اور اب محدود علاقے میں نام نہاد خود مختاری کا حق دیتے ہوئے اعلان کر دیا کہ بیت المقدس ہمیشہ بنی اسرائیل کے قبضے میں رہے گا۔ ایسے میں صرف یاسر عرفات کو برا بھلا کہنے سے مداوا نہ ہو سکے گا بلکہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ امت مسلمہ نے مجموعی طور پر کیا رول ادا کیا۔

یہ ہیں زندگی کے مختلف پہلو جن پر دیانتدارانہ انداز میں غور ضروری ہے کہ رمضان المبارک میں قدرت کے وضع کردہ تربیتی پروگرام کی روشنی میں مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی کردار کے ضمن میں کیا پایا کیا کھو!۔

اپنوں ہی کے ہاتھوں مریں اپنے یہ ستم ہے

عمر برناوی

بہتا ہے لہو اپنی زمیں پر یہ الم ہے
اپنوں ہی کے ہاتھوں مریں اپنے یہ ستم ہے

اپنوں نے جنہیں قتل کیا اپنے شہر میں
یہ آنکھ مری ان ہی کے افسوس میں نم ہے

اغیار تو محفوظ ہیں ہر برقِ ستم سے
اے گردشِ دوراں ترا ہم پر ہی کرم ہے

سمجھے ہیں شبستاں تو سمجھنے دو بلا سے
مجھ کو تو ان اجڑی ہوئی مانگوں کی قسم ہے

غالب تو پیا کرتے تھے مئے قرض کی لیکن
ہاتھوں میں درندوں کے یہاں خون کا جم ہے

انسان ہیں' مسلم ہیں' یہ بھائی ہیں ہمارے
کوئی بھی ہو پہچان مجھے سب ہی کا غم ہے

پھر آئے عمر کوئی یہاں عدل ہو قائم
لیلائے سیاست کی تو زلفوں میں بھی خم ہے

ہمارے موجودہ حالات اللہ کی طرف سے سزا ہیں!

پاکستان کے مسائل کا واحد حل۔ اسلامی انقلاب

بے نظیر اور نواز شریف دونوں نیو ورلڈ آرڈر کے بندے ہیں

جناب سلمان عابد کا ہفت روزہ "سیاسی لوگ" کے لئے ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو

* ڈاکٹر صاحب ایک خیال یہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ سیاسی' معاشی' مذہبی' اخلاقی صورتحال خوفناک منظر پیش کر رہی ہے اس میں فی الحال بہتری کے کوئی امکانات بھی نظر نہیں آتے۔ آپ کا اس پر کیا تبصرہ ہے؟

● میں تو کافی عرصے سے اس بات کو مسلسل دہرا رہا ہوں کہ پاکستان کے موجودہ حالات انتہائی مایوس کن ہیں اور ہم ایک طرح سے بند گلی میں داخل ہو چکے ہیں۔ میری اپنی نظر میں ہمارے موجودہ حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سزا کے زمرے میں آتے ہیں۔ اگر آپ قرآن مجید اٹھا کر دیکھیں اور اس میں سورۂ توبہ کی آیات ۷۵' ۷۶' ۷۷ کا مطالبہ کریں تو اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص منافقوں کا ذکر کیا ہے جو یہ کہتے تھے کہ اگر اللہ ہمیں دولت دیں گے تو ہم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت سے نوازا تو انہوں نے بخل سے کام لیا اور وعدہ خلافی کی' جس کی سزا کے طور پر اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ ہمارا معاملہ بھی یہی ہے کہ ہم نے بحیثیت قوم اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اے اللہ ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات دلا دے تو ہم تیرے دین کی خدمت کریں گے۔ لیکن ہم نے بھی وعدہ خلافی کی جس کی ایک بڑی سزا یعنی نفاق دو صورتوں میں ہم پر نازل ہو رہا ہے۔ یعنی (i) نفاق باہمی: جس کے نتیجے میں ایک قوم کئی قومیتوں (نسلی' لسانی' صوبائی' علاقائی میں تقسیم ہو گئی ہے۔ (ii) صداقت: ایفائے عہد اور ایمانداری کے اوصاف ہماری قوم کے زمہ دار افراد سے بالکل ختم ہو گئے اور منافقت کی یہی وہ نشانیاں ہیں جو حدیث نبویؐ میں بیان ہوئی ہیں۔

اس کے علاوہ سزا کا ایک کوڑا ہم پر قمری حساب سے ۲۵ برس پورے ہونے کے بعد ۱۹۷۱ء میں پڑا جس کے نتیجے میں ۱۹۴۷ء میں قائم ہونے والا پاکستان تقسیم ہو کر رہ گیا اور ایک بدترین شکست کا داغ ہماری پیشانی پر لگا۔ اب پھر قمری حساب سے موجودہ آنے والے رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب میں دوسرے ۲۵ برس پورے ہو رہے ہیں اور اس وقت ہماری سیاسی' انتظامی' عدالتی' غرضیکہ ہر طرح کی اجتماعی صورت حال ۱۹۷۱ء سے بھی بدتر ہے۔ اس صورتحال میں مایوسی کے اندھیرے گہرے ہو رہے ہیں اور واقعاتی اعتبار سے ہمیں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آ

> "یہ جو ملک کے اندر مڈٹرم الیکشن کی دہا شروع ہوئی ہے' دراصل ہمیں یہ بطور جرمانہ منعقد کروانے پڑ رہے ہیں اور یہ جرم ملک کے اندر ضیاء الحق مرحوم کا طویل ترین مارشل لاء تھا جس کے دوران ملک کے اندر سیاسی عمل کو روکے رکھا گیا"

رہی' سوائے اس کے کہ پاکستان نیو ورلڈ آرڈر کا عمل آلہ کار بننے کے لئے تیار ہو جائے تو اس کے وجود کو وقت کی طاقت و سپر پاور امریکہ برقرار رکھنا پسند کر سکتا ہے۔

البتہ میری دینی فہم کے اعتبار سے معاملہ اس کے بالکل برعکس ہونا چاہئے کیونکہ قرآن مجید کے واضح اشارات اور حدیث نبویؐ کی درست پیش گوئیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت سے قبل تمام روئے ارضی پر خلافت اسلامی کا نظام قائم ہو کر رہے گا اور بعض اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت ایزدی میں اس نظام خلافت کے نقطہ آغاز بننے کی سعادت پاکستان و افغانستان کو حاصل ہو گی۔ اس لئے اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم پر عذاب الٰہی کا کوڑا برسے اور اس کے نتیجے میں ہم جاگ جائیں اور اپنی بھولی ہوئی منزل کی طرف رجوع کر لیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیسے آج سے لگ بھگ ۸۰۰ سال قبل ہوا تھا کہ تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل ہو گئے تھے۔ لیکن پھر اسلام نے تاتاریوں کو فتح کر لیا تھا اور پورے عالم اسلام کی قیادت تاتاریوں کے مختلف قبیلوں کو ہی سونپ دی گئی تھی۔ ترکمان تیموری ہندوستان میں' ترکمان صفوی ایران میں' ترکمان سلجوقی مڈل ایسٹ میں اور ترکمان عثمانیہ کے ذریعے سلطنت عثمانیہ۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھارت کے ہندوؤں کے ہاتھوں ہم پر اللہ کی سزا کا کوڑا برسے لیکن پھر بالآخر بھارت کا ہندو مسلمان ہو جائے۔

* آپ کی نظر میں کراچی کا اصل مسئلہ کیا ہے اور کیا بے نظیر بھٹو کی حکومت کراچی کے بحران کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟

● میری نظر میں کراچی کا مسئلہ بھی ہمارے اسی نفاق کا مظہر ہے۔ اس وقت وہاں ایک لسانی قومیت وجود میں آئی ہے اور ان میں اپنی محرومی کا احساس شدت اختیار کر چکا ہے۔ پھر اس کی ایک مضبوط قیادت وجود میں آ چکی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک ان حقائق کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اس نئی اور پانچویں قومیت کے لئے جب تک ایک ایسا

صوبہ نہ ہو جس میں وہ لوگ خود یہ محسوس کر سکیں کہ وہ واحد اکثریتی گروپ کی حیثیت سے سیاسی اختیارات کے مالک ہیں' اس وقت تک ان کے احساس محرومی کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف بے نظیر بھٹو کی یہ مجبوری ہے کہ انہیں پورے پاکستان میں صرف صوبہ سندھ میں صوبائی سطح پر اپنی پارٹی کی مستحکم حکومت ملی ہے۔ جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ پنجاب میں چھوٹی سی اقلیت اسے بلیک میل کر رہی ہے' سرحد اور بلوچستان میں بھی صورتحال کچھ ایسی ہی ہے اور بدقسمتی سے اس وقت سندھ کی حکومت پر قدیم قوم پرست سندھی نقطہ نظر کے حامل افراد قابض ہیں جس کی بنا پر بے نظیر کوئی فیصلہ کن کردار ادا نہیں کر سکتیں۔ اس لئے کراچی کا مسئلہ موجودہ حکومت کے لئے تقریباً لاینحل ہو چکا ہے۔ جہاں تک اصل مسئلے کی بات ہے تو میں سمجھتا ہوں ضرورت اس امر کی ہے کہ کراچی میں رہنے والے لوگوں میں پائے جانے والے احساس محرومی کو فوری طور پر ختم کیا جائے تاکہ وہ بھی اپنے آپ کو پاکستان کا حصہ سمجھ سکیں۔

الطاف حسین کو شرکت اقتدار کی دعوت دے کر خود اپنا مذاق یا تماشہ بھی بنوا رہے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ بے نظیر بھٹو نے ایک بار پھر الطاف حسین کو شرکت اقتدار میں دعوت دے کر ان پر سے ملک دشمنی اور دہشت گردی کا مقدمہ واپس لے لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ حکومتی الزامات محض انہیں دبانے کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ حکومت نے اس سے قبل میاں نواز شریف پر بھی غداری کا مقدمہ قائم کر کے واپس لے لیا تھا۔

* کیا علیحدہ کراچی صوبہ ہمارے لئے ممکن اور مفید ہو گا اور دوسرا آپ کا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ موجودہ حالات میں پاکستان کے زیادہ سے زیادہ صوبے ہونے چاہئیں۔ آخر کیوں؟

● ایک بات تو یہ سمجھنا ہو گی کہ میں اصل میں صرف سندھ کی تقسیم کی بات نہیں کرتا۔ میرے نزدیک پاکستان کو درپیش جملہ مسائل کا حل جن اقدامات میں مضمر ہے ان میں تین چار باتیں ضروری ہیں۔

> "اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم پر عذاب الٰہی کا کوڑا برسے اور اس کے نتیجے میں ہم جاگ جائیں اور اپنی بھولی ہوئی منزل کی طرف رجوع کر لیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیسے آج سے لگ بھگ ۸۰۰ سال قبل ہوا تھا کہ تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل ہو گئے تھے۔ لیکن پھر اسلام نے تاتاریوں کو فتح کر لیا تھا"

* حکومت کا یہ الزام کس حد تک درست ہے کہ ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین ملک دشمنی اور دہشت گردی کے مرتکب ہوئے ہیں؟

● اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ کراچی کے اندر مسلسل دہشت گردی ہو رہی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دہشت گردی کون کر رہا ہے؟ میری نظر میں اس کا کوئی حتمی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ اس کے اندر ایم کیو ایم سے تعلق رکھنے والے انتہا پسند عناصر بھی شامل ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ دہشت گردی کے اس پردے میں "را" --- "موساد" اور دوسری ایجنسیاں بھی ملوث ہوں۔ جہاں تک الطاف حسین کا معاملہ ہے حکومت ان کے بارے میں تضادات کا شکار ہے' کبھی انہیں دہشت گرد اور ملک دشمن قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ الطاف حسین سے کوئی بات نہیں ہو سکتی اور پھر دوسری طرف وہ

۱۔ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی مکمل اور غیر مشروط بالادستی' دستور کے اندر صحیح الفاظ میں درج ہو۔

۲۔ ملک کے اندر فوری طور پر صدارتی نظام قائم کیا جائے۔

۳۔ پاکستان میں صوبوں کی از سر نو تشکیل کی جائے اور لگ بھگ ۱۲ صوبے ہوں جو کہ آبادی کے حساب سے برابر ہوں یعنی کم و بیش ایک کروڑ آبادی پر صوبے تشکیل دیئے جائیں اور ان صوبوں کی تشکیل نو میں جغرافیائی اور انتظامی عوامل کے ساتھ ساتھ نسلی اور ثقافتی عوامل کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ میری اس اسکیم کے مطابق پنجاب پانچ صوبوں میں اور سندھ کم از کم تین صوبوں میں تقسیم ہو گا۔ سندھ کے جنوبی صوبے میں سب سے بڑا واحد سیاسی گروپ نئے سندھیوں پر مشتمل ہو گا جب کہ شمالی صوبے میں فیصلہ کن اکثریت قدیم سندھیوں کی ہو گی اور وسطی صوبے میں معاملہ تقریباً متوازن ہو گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اب صوبوں کی تعداد بڑھانے کے سوا ہمارے پاس کوئی چارۂ کار باقی نہیں ہے اس لئے ہمیں اس پر غور و فکر کے عمل در آمد کرنا ہو گا تاکہ صوبوں کی متوازی اور برابری کی حیثیت قائم رکھی جا سکے۔

* ڈاکٹر صاحب موجودہ حالات کے تناظر میں پاک بھارت تعلقات میں بہتری کس طرح ممکن ہے۔ آپ نے حال ہی میں کشمیر کے معاملے پر کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر ایک فارمولا دیا ہے جس پر کافی تنقید ہو رہی ہے۔ کیا اس کی وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے؟

● یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت انڈیا اور پاکستان کے مابین کافی بڑی خلیج پائی جاتی ہے لیکن میری نظر میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان حالات میں بہتری اس حقیقت کے شعور اور ادراک سے ہو سکتی ہے کہ اس وقت نیو ورلڈ آرڈر کے پردے میں ایک نہایت قلیل نسلی اقلیت یعنی یہودی پوری دنیا پر ایک نیا مالیاتی استعمار مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی مزاحمت صرف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ایران' افغانستان' پاکستان اور روسی ترکستان ایک مسلم بلاک کی شکل اختیار کر لیں اور یہ بلاک اپنے سیاسی اور اقتصادی روابط بھارت اور چین کے ساتھ استوار کرے اور اگر یہ گلوبل نقطہ نظر پاکستان اور ہندوستان کے سوچنے سمجھنے والے لوگوں میں اپنا جواز پیدا کرے تو میرے خیال کے مطابق حالات میں بہتری آ سکتی ہے اور پھر کشمیر کا معاملہ بھی تقسیم ہند کے فارمولے کے عین مطابق حل کیا جا سکتا ہے یعنی کشمیر کا مسلم اکثریت کا ملحقہ علاقہ پاکستان کے ساتھ اور غیر مسلم اکثریتی علاقہ ہندوستان کے ساتھ ضم کر دیا جائے اور اگر اس معاملے میں یہ محسوس ہو کہ وادی کی حد تک لوگوں کی اکثریت تھرڈ آپشن کی طرف رجحان رکھتی ہے تو انہیں یہ حق یا آپشن بھی دے دیا جائے یعنی آزاد کشمیر' گلگت و ہنزہ و بلتستان وغیرہ بدستور پاکستان کے حصے میں رہیں۔ لداخ اور جموں کا ہندو اکثریت کا علاقہ بھارت میں ضم کر دیا جائے اور وادی کشمیر اور جموں کے مسلم اکثریت والے علاقے کو تھرڈ آپشن بھی دے دیا جانا چاہئے۔ میرے خیال میں اس طریقے سے پاک بھارت تعلقات میں بہتری آ سکتی ہے۔

* آج کل ملک کے اندر پاکستان اور بھارت کے درمیان تجارت کے حوالے سے کافی بحث ہو رہی

ہے اور آپ نے اس کی حمایت بھی کی ہے اس میں دو باتیں اہم ہیں کہ کیا مسئلہ کشمیر کی موجودگی میں ایسا ممکن ہے اور دوسرا کیا اس سے پاکستان کی معیشت متاثر نہیں ہوگی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

● جہاں تک ہندوستان کے ساتھ تجارتی معاملے کے ضمن میں میری رائے ہے۔ میں اس کے سیاسی پہلوؤں پر زیادہ نگاہ رکھتا ہوں اور دونوں ملکوں کے درمیان جاری محاذ آرائی کے خاتمہ اور حالات کی بہتری کے لئے میں دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کو موزوں سمجھتا ہوں۔ باقی جہاں تک اس کے مالیاتی پہلو کا تعلق ہے' جس کا آپ نے ذکر کیا ہے میں چونکہ اس کا ماہر نہیں ہوں لہٰذا اس مالیاتی پہلو پر کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتا۔ البتہ میرے علم میں ہے کہ بہت سے ماہرین مالیات کی رائے بھی یہی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تجارت دونوں ملکوں کے مفاد میں ہے اور اس بارے میں جو لوگ اندیشے اور وسوسے کا شکار ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ میرے اپنے نقطہ نظر میں جو لوگ اس وقت ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تجارتی لین دین پر لعن طعن اور مخالفت کر رہے ہیں دراصل ان کے ذہنوں میں دو باتیں راسخ ہیں۔

۱۔ ہندو مسلم منافرت کے نفسیاتی پہلو

۲۔ پاک بھارت کشمکش کے سیاسی عسکری اثرات

اس لئے یہ لوگ اپنی ذہنی کیفیتوں کے پیش نظر کسی بھی طور پر پاک بھارت تجارت کی حمایت نہیں کر سکتے حالانکہ انہیں چاہئے کہ وہ ان دونوں پہلوؤں سے نکل کر دونوں ممالک کے درمیان حائل خلیج کے خاتمے میں اپنا کردار ادا کریں۔

* اس وقت کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پاکستان کے اندر جاری موجودہ سیاسی بحران کا واحد حل مڈٹرم الیکشن ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

● میں نے ہمیشہ ملک کے اندر ہونے والے مڈٹرم الیکشن کی حمایت کی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس عمل کے ذریعے ہمیں فائدہ ہی فائدہ ملے گا۔ اور یہ جو ملک کے اندر مڈٹرم الیکشن کی وبا شروع ہوئی ہے' دراصل ہمیں یہ بطور جرمانہ منعقد کروانے پڑ رہے ہیں اور یہ جرم ملک کے اندر ضیاء الحق مرحوم کا طویل ترین مارشل لاء تھا جس کے دوران ملک کے اندر سیاسی عمل کو روکے رکھا گیا۔ میرا ایک خیال یہ بھی ہے کہ کافی عرصے کے بعد ہمارے ہاں دو جماعتی سیاست بہت حد تک پختہ ہو چکی ہے اور اب اگر ایک اور الیکشن ہو گئے تو ان کے ذریعے ان دونوں پارٹیوں کی قوت کا بہتر اندازہ اور ان کا عوامی انڈکس ہمارے سامنے آ جائے گا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر موجودہ حالات میں کوئی مڈٹرم الیکشن کی صورت سامنے آتی ہے تو وہ ہمیں پیچھے کی بجائے آگے کی طرف لے جائے گی اور اس سے ملک کے اندر بہتری کی توقع کی جا سکتی ہے۔

* مسلم لیگ کے سربراہ میاں نواز شریف کی موجودہ سیاست پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

● میاں نواز شریف صاحب کے اندر ذاتی طور پر مجھے کوئی سیاسی شخصیت نظر نہیں آتی ماسوائے اس کے کہ انہوں نے تجارتی اور صنعتی پروگرام کو ملک کے اندر کھلے انداز میں عام کرنے اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو بلا روک ٹوک ملک کے اندر رائج کرنے کی طرف پیش قدمی کی ہے۔ اس کے علاوہ ان میں اور کوئی صلاحیت مجھے نظر نہیں آتی۔ اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو میرے نزدیک بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کے مابین کوئی عملی فرق نہیں ہے۔ میاں نواز شریف بھی اسی طرح مسلم بنیاد پرستی کے خلاف نیو ورلڈ آرڈر کے ساتھ کمربستہ اور ہم آہنگ ہیں جس طرح بے نظیر بھٹو صاحبہ۔ اس لئے میں دونوں حضرات سے کسی قسم کی خیر کی توقع نہیں رکھتا۔

* ڈاکٹر صاحب ترکی' الجزائر اور بعض دوسرے اسلامی ملکوں میں ووٹ کے ذریعے مذہبی جماعتوں کو کامیابیاں ملی ہیں لیکن اس کے برعکس پاکستان کے اندر اسلامی جماعتوں کو کبھی بھی الیکشن میں پذیرائی نہیں ملی اور انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

● جہاں تک الجزائر کا تعلق ہے وہاں دو عوامل فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں:

۱۔ آزادی کے بعد سوشلسٹ نظام قائم ہو گیا تھا لہٰذا وہاں فیوڈل ازم ختم ہو گیا۔

۲۔ دوسرا عرب ملک ہونے کے ناطے وہاں مذہبی فرقہ واریت میں شدت موجود نہیں ہے۔

یہ دونوں عوامل ہمارے ہاں بالکل برعکس صورتوں میں موجود ہیں۔ جہاں تک ترکی کی بات ہے وہاں ابھی ایسی کوئی فیصلہ کن صورت سامنے نہیں آئی ہے اور نہ ہی ترکی لیڈر اربکان صاحب نے مسلم بنیاد پرستی کا کھل کر کردار ادا کیا ہے۔ لہٰذا وہاں کے بارے میں کوئی تبصرہ قبل از وقت ہو گا۔ جہاں تک پاکستان کے اندر مذہبی جماعتوں کی ناکامی کی بات ہے تو میرے نزدیک پاکستان کی ۸۰ فیصد آبادی جاگیرداروں اور وڈیروں کے تابع ہے اور دوسری طرف بدقسمتی سے جہالت کی بنیاد پر مذہبی فرقہ واریت میں بہت شدت پائی جاتی ہے جس کی بنا پر مذہب پسند لوگ تقسیم ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے میں ہمیشہ اسی نقطہ نظر پر زور دیتا رہا ہوں کہ ہمارے ہاں انتخابی عمل کے ذریعے نظام اسلام کے قیام کا کوئی امکان نہیں ہے اور واحد راستہ میرے نزدیک انقلابی جدوجہد کا رہ جاتا ہے جس کے ذریعے نفاذ اسلام کی گنجائش موجود ہے۔

* آپ خود ایک مذہبی جماعت' تنظیم اسلامی کے سربراہ ہیں اور ملک کے اندر اسلامی نظام کیلئے عملاً مصروف ہیں۔ آپ کے خیال میں الیکشن میں حصہ لئے بغیر کس طرح اسلامی انقلاب ممکن ہے اور کیا یہ انقلاب ہمیں تشدد کے راستے پر تو نہیں لے جائے گا؟

● میں جس انقلابی جدوجہد کی بات کرتا ہوں اس میں ایک قابل قدر اور قابل تقلید مثال ایران کی ہے جہاں اس نے ایک غیر مسلح ایجی ٹیشن کی صورت اختیار کی۔ میرے نزدیک مصر ہو یا الجزائر یا کوئی دوسرا اسلامی ملک' جہاں کہیں بھی راسخ العقیدہ مسلمان اپنے عمل اور پروگرام کے ذریعے تشدد کا راستہ اختیار کر رہے وہ اسلام کو زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں اور ان کا یہ راستہ کسی بھی طور پر نفاذ اسلام کی طرف نہیں جائے گا۔ میری نظر میں اسلامی انقلاب کا راستہ نہ بیلٹ کے ذریعے ممکن ہے اور نہ ہی بلٹ کے ذریعے' بلکہ یہ عمل ایک پرامن عوامی احتجاجی تحریک کے ذریعے پیدا کیا جا سکتا ہے' جسے حدیث کی اصطلاح میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

* طلاقہ کے بارے میں جو بحث چل رہی ہے اس پر آپ کا کیا نقطہ نظر ہے اور کیا عورت کے حق طلاق یعنی خلع کو مرد کی مرضی پر منحصر کرنا زیادتی نہیں ہے؟

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

> "پاکستان کی ۸۰ فیصد آبادی جاگیرداروں اور وڈیروں کے تابع ہے اور دوسری طرف بدقسمتی سے جہالت کی بنیاد پر مذہبی فرقہ واریت میں بہت شدت پائی جاتی ہے جس کی بنا پر مذہب پسند لوگ تقسیم ہو جاتے ہیں"

انتظامیہ کی خامیوں کی تلافی عدلیہ کو کرنا پڑتی ہے

کاروباری حلقے چوری چھپے سیاسی جماعتوں کو روپیہ فراہم کرتے ہیں

عدلیہ مستعدی کا مظاہرہ کرے تو قانونی چارہ جوئی کی راہ کھلتی ہے

بھارت کی عدالت عظمیٰ سیاسی عمل میں اصلاح کی ایک مثال قائم کر رہی ہے

تحریر : منوج مٹہ اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

"میں نہیں جانتا عدالتی فعالیت Judicial activism کس شے کا نام ہے... اس میں عدالتی فعال پذیری والی کوئی بات نہیں' ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ ہماری ذمہ داری میں شامل ہے"۔ یہ سپریم کورٹ کے جسٹس کلدیپ سنگھ تھے جو ۲۰ جنوری کی شام نیو دہلی کے آئین کلب میں تقریر کر رہے تھے۔ ان کے یہ الفاظ بے معنی نظر نہیں آتے۔ ایک طرف چوٹی کے سیاستدانوں کو' جن میں ایل۔ کے۔ ایڈوانی اور تین مرکزی وزیر شامل ہیں جین حوالہ کیس میں ملوث کئے جانے پر سی۔ بی۔ آئی پر غم و غصے کا اظہار ہو رہا ہے تو دوسری طرف سی۔ بی۔ آئی جیسے مضبوط ادارے پر سپریم کورٹ کے دباؤ کو سراہا بھی جا رہا ہے جس کے نتیجے میں سی۔ بی۔ آئی نے یہ قدم اٹھایا ہے۔

اکثر قانونی مبصرین کے نزدیک سپریم کورٹ نے جو تحکمانہ رویہ اختیار کیا ہے وہ کسی فوری ردعمل کا نتیجہ نہیں ہے۔ سپریم کورٹ کے وکیل انیل نوریا کا کہنا ہے کہ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ حالیہ برسوں میں انتظامیہ ایک قسم کے خلاء کا شکار تھی جس کی تلافی کئی مواقع پر سپریم کورٹ کو کرنا پڑی ہے' یہی وہ عمل ہے جو جین حوالہ کیس میں کھل کر سامنے آیا ہے۔ اس کا آغاز ایمرجنسی دور میں ہو گیا تھا جب سپریم کورٹ نے مفاد عامہ کا قانون (PIL)' جس کا مقصد غیر مراعات یافتہ طبقے اور اقلیتوں کو انصاف دلانا تھا' لے کر کھڑی ہو گئی۔ اس قانون کے تحت جو مقدمے سپریم کورٹ میں پیش ہوئے زیادہ تر وہ حقوق انسانی اور ماحولیات کے متعلق تھے لیکن ان سے قانونی چارہ جوئی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور ایسے گروہ وجود میں آئے جنہوں نے اس قانون کے تحت اونچی سطح پر پائی جانے والی بدعنوانی کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ عدالت عالیہ ماضی قریب میں ایسے کئی مقدمات کی سماعت منظور کر چکی ہے' انہی میں جین حوالہ کیس بھی تھا۔ سپریم کورٹ کے ایک وکیل آر۔ کے۔ جین کا کہنا ہے کہ سیاسی راہنماؤں کے خلاف بدعنوانی کے الزامات پر جج صاحبان نے ہمیشہ مستعدی کا مظاہرہ کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ ان دنوں ان کی تعداد بڑھ گئی ہے۔

جین حوالہ کیس میں جو دو صحافیوں اور دو وکلاء نے اکتوبر ۱۹۹۳ء میں دائر کیا تھا' سپریم کورٹ نے جس طرح دلچسپی ظاہر کی ہے اس سے قبل شاید ہی اس کی کوئی مثال سامنے آئی ہو۔ سی۔ بی۔ آئی دو سال سے ان کاغذات کو دبا کر بیٹھی ہوئی تھی جو مقدمے سے متعلق انتہائی اہمیت کے حامل تھے۔ اس پر چیف جسٹس ایم۔ این وینکاٹاچالیہ (M.N.Venkatachaliah) نے دو ماہ کے اندر سی۔ بی۔ آئی اور حکومت کو نوٹس جاری کئے' ایک سال خاموشی چھائی رہی۔ یہاں تک کہ جسٹس جے۔ ایس ورما کی سربراہی میں ایک نئے بنچ نے نومبر ۱۹۹۴ء میں حکومت اور متعلقہ ایجنسیوں کی اس بنا پر سرزنش شروع کی کہ انہیں جو خفیہ ڈائری ملی تھی اس کے مندرجات کا پتہ چلانے کے لئے مناسب کارروائی نہیں کی گئی۔ یہ جتلانے کے لئے کہ عدالت جو کچھ کہہ رہی ہے وہ محض دکھلاوے کے لئے نہیں' عدالت نے سی۔ بی۔ آئی کے ڈائریکٹر وجیا رامارا او کو حوالہ کیس کی تفتیش کے لئے ذاتی طور پر پابند کیا اور کہا کہ وہ وقتاً فوقتاً عدالت میں اس بارے میں رپورٹ پیش کرے۔ اس سے معاملہ آگے بڑھا اور ان دھماکہ خیز چارج شیٹوں کی نوبت آئی جو پچھلے دنوں دائر ہو چکی ہیں۔

انکم ٹیکس کیس :

شاید اتفاق سے ایسا ہوا ہو لیکن انہی دنوں انکم ٹیکس سے متعلق جاری ہونے والا آخری انتباہ جس کیس کے بارے میں ہے وہ حوالہ سیکنڈل کی جڑ پر تیشہ بن کر گرا ہے۔ کاروباری حلقے کیسے چوری چھپے سیاسی جماعتوں کو پیسہ فراہم کرتے ہیں اس کا شاید آپ کو اندازہ نہ ہو۔ گزشتہ سال فروری میں صارفین کے حقوق سے متعلق تنظیم کے نمائندہ ایچ۔ ڈی شوری کی طرف سے پی۔ آئی۔ ایل کے تحت شروع کی جانے والی کارروائی کے نتیجے میں سیاسی جماعتوں کے لئے یہ الیکشن خاصے بھاری ہو گئے ہیں۔ پندرہ میں سے چھ جماعتیں اس وقت پیشی بھگت رہی ہیں۔

سیاسی جماعتوں کے لئے اگرچہ انکم ٹیکس ادا کرنے کی نوبت تو نہیں آتی لیکن قانوناً وہ آڈٹ شدہ حساب کتاب رکھنے اور سالانہ رپورٹ جمع کرانے کی پابند ہوتی ہیں جس میں آمدنی کی رقم اور ذرائع آمدن دکھانے ہوتے ہیں۔ سپریم کورٹ کے حالیہ حکم کی رو سے جو جماعتیں ایسا کرنے میں ناکام رہیں گی ان کی املاک ضبط کی جا سکے گی اور اگر ضروری ہوا تو انہیں انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا جائے گا۔

ٹیلی کام ٹینڈر :

جو اس شعبے میں پوری دنیا کا سب سے بڑا ٹینڈر ہے اور بھارت کے دوسرے کسی شعبے میں بھی اتنا بڑا ٹینڈر کبھی نہیں ہوا' تنازعہ شکل اختیار کر گیا ہے۔ پندرہ سال کے لئے ملک بھر میں ٹیلی کالم سروس فراہم

کرنے کے لئے سب سے اونچی بولی 1,18,000 کروڑ روپے کی تھی۔ سپریم کورٹ نے جو پٹیشن سماعت کے لئے منظور کی ہے ان میں الزام عائد کیا گیا ہے کہ ٹینڈر کے لئے فراہم کی گئی معلومات کے ذریعے کام کی مقدار بڑھا چڑھا کر پیش کی گئی ہے کہ نجی طور پر لائسنس حاصل کرنے والوں کو ناجائز فائدہ پہنچایا جا سکے۔ سپریم کورٹ میں اصل میں یہ معاملہ اس وقت آیا جب مرکزی حکومت کی طرف سے بنگلور اور کوہیما کی بائیکورٹوں میں زیر سماعت دو پٹیشن سپریم کورٹ میں منتقل کرنے کی استدعا کی گئی۔ اس پر سپریم کورٹ نے حکم امتناعی تو ختم کر دیا لیکن ٹینڈر پر عمل درآمد پٹیشنوں کے فیصلے کے تابع کر دیا۔ اس پر کئی گروہوں نے براہ راست سپریم کورٹ میں پٹیشن دائر کرا دیئے۔ لیکن ایک وکیل نے ' جو پٹیشن دائر کرنے والوں کی طرف سے پیش ہو رہے ہیں بتایا کہ عدالت خاص طور پر خیال رکھ رہی ہے کہ معاملہ طول نہ پکڑ جائے' چنانچہ عدالت گزشتہ پندرھواڑے سماعت مکمل کر چکنے کے بعد جلد ہی فیصلہ سنانے والی ہے۔

چندرا سوامی کیس :

وکیل انوکل پرادھن کی طرف سے پی ۔ آئی ۔ ایل کے تحت کارروائی کی درخواست پر عدالت نے اکتوبر ۱۹۹۵ء میں چندرا سوامی کے ملک سے باہر جانے پر پابندی عائد کر دی۔ یہ پٹیشن یونین منسٹر راجیش پائلٹ کے اس متنازعہ خط کی روشنی میں دائر کی گئی جو انہوں نے .بلو سریواستوا کے اس الزام کے بعد کہ گروجی نے دبئی میں داؤد ابراہیم سے ملاقات کی تھی' بمبئی بم دھماکہ کے سلسلہ میں چندرا سوامی کی گرفتاری کے لئے سی ۔ بی ۔ آئی کو لکھا تھا۔ پٹیشن میں چندرا سوامی کے خلاف درج ان مقدمات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے جو کئی سالوں سے سی ۔ بی ۔ آئی اور انفورسمنٹ ڈائریکٹوریٹ کے سرد خانہ کی نذر ہیں۔ ان مقدمات میں کٹس (Kitts) مقدمہ بھی شامل ہے جس میں پی ۔ وی نرسماراؤ نمایاں ہیں۔

ناجائز قبضہ کا کیس :

جب ایک وکیل ایس ۔ ایس تیواری نے دہلی میں سرکاری ملازمین کو کم لاگت پر مکانوں کی الاٹمنٹ میں ہونے والی دھاندلیوں کے خلاف پٹیشن دائر کی تو بہت سے لوگ شش و پنج میں مبتلا تھے۔ بالآخر کئی سالوں کی کشمکش کے بعد محسوس ہونے لگا کہ حکومت کے لئے اس مقدمے سے جان چھڑانا مشکل ہے۔ سپریم کورٹ نے دی ۔ آئی ۔ پی کی جن میں سابق وزراء بھی شامل تھے' واضح اشاروں کو سامنے رکھا جنہوں نے بغیر استحقاق کے بڑے بڑے بنگلوں پر قبضہ جما رکھا تھا چنانچہ ایسے ۲۷ دی ۔ آئی ۔ پی کو بنگلے خالی کرنے کے نوٹس جاری کئے گئے۔ جن میں سے کئی تو خالی کر گئے اور شرد پوار اور ایچ ۔ کے ۔ ایل بھگت جیسے جو باقی رہ گئے انہیں ان کی ہٹ دھرمی کے باوجود نکال باہر کیا گیا۔ عدالت کو غصہ دلانے والی بات یہ تھی کہ ایک لاء افسر سے بھی اس وقت کی شہری ترقی کے وزیر' شیلا کاؤل کے عملہ نے رشوت طلب کی تھی جس پر شیلا کاؤل کو وزارت سے علیحدہ ہونا پڑا۔

وہرہ کمیٹی کیس :

ممبر پارلیمنٹ' دنیش ترویدی نے پچھلے سال اکتوبر میں ایک پی ۔ آئی ۔ ایل دائر کی جس میں حکومت پر الزام عائد کیا گیا کہ اس نے سیاستدانوں اور جرائم پیشہ افراد کی ملی بھگت کے بارے میں وہرہ کمیٹی کی رپورٹ کا صرف ایک حصہ سامنے لا کر پارلیمنٹ کے سامنے غلط بیانی کی ہے۔ اس کے لئے ثبوت یہ لایا گیا کہ جو رپورٹ پیش کی گئی ہے وہ چند درجن صفحات سے زیادہ نہیں جب کہ پیشتر ازیں خود پارلیمانی امور کے وزیر دی ۔ سی شکلا یہ کہہ چکے تھے کہ رپورٹ کم از کم دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مزید یہ بھی بیان کیا گیا کہ حکومت بہ ظاہر اس رپورٹ کو ایک دم سامنے لانے سے کترا رہی ہے۔ ایک سابق داخلہ سیکرٹری کی سربراہی میں بمبئی میں ہونے والے بم دھماکہ کے سلسلہ میں جو کمیٹی قائم کی گئی تھی اسے جولائی ۱۹۹۳ء تک اپنی رپورٹ پیش کرنا تھی۔ لیکن حکومت رپورٹ کا یہ حصہ بھی اس وقت سامنے لائی جب نینا ساہنی کے قتل پر شور مچا۔ سپریم کورٹ کے نوٹس پر مرکز نے اس سے انکار کیا کہ اس نے رپورٹ کا کوئی حصہ روکا ہے' البتہ اس بارے میں کسی کارروائی کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کا کہنا تھا کہ وہ ریاست کی ذمہ داری ہے لہٰذا مرکز اس کے لئے ذمہ دار نہیں۔ عدالت اب اس بات پر غور کر رہی ہے کہ مرکز کو کہا جائے کہ را' آئی ۔ بی ' سی ۔ بی ۔ آئی اور دوسری ایجنسیوں کی طرف سے وہرہ کمیٹی کو دی گئی رپورٹیں عدالت میں پیش کرے۔

لوک سبھا کے سابق سیکرٹری جنرل سبھاش کاشیاپ کا کہنا ہے کہ یہ مقدمات سیاسی عمل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے خلاف انکم ٹیکس کے کیس سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ محاسے کا عمل صرف افراد تک ہی محدود نہیں۔ جن لوگوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ سیاسی جماعتوں کے پاس پیسہ کہاں سے آتا ہے وہ بھی اب اسے جاننے کی کوشش کریں گے۔ سیاسی عمل کو عدالت میں لا کر سپریم کورٹ نے سیاست کی اصلاح کا آغاز کیا ہے۔ ماہر قانون راجندر سچار کے نزدیک سپریم کورٹ نے سیاسی جماعتوں کو جو اپنے آپ کو ہر قاعدے قانون سے بالاتر تصور کرتی ہیں لگام دی ہے۔ اگرچہ بعض قانون دان یہ سمجھتے ہیں کہ نظام کی خرابیاں' مثلاً بے لاگ احتساب کی کمی دور کرنے کا بوجھ مسلسل عدلیہ پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ سیاسی بدعنوانیوں کے خلاف مقدمات سے اس طرح کی خامیاں دور کرنے کی ضرورت کھل کر سامنے آئی ہے۔ تاہم جب تک سی ۔ بی ۔ آئی جیسی ایجنسیاں حکومتی کنٹرول سے آزاد نہیں ہوتیں' سپریم کورٹ کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ ان کی کارکردگی کا جائزہ لے۔ ("انڈیا ٹوڈے")

وڈیرے ٹیکس سے مستثنیٰ کیوں؟

۹۵۔۱۹۹۴ء میں سندھ حکومت کے سندھی وڈیروں سے ۳ لاکھ روپیہ بطور ٹیکس وصول ہوا ہے جبکہ حکومت نے بجٹ میں ایک کروڑ روپے کا تخمینہ رکھا تھا۔ پورے ملک میں جاگیرداروں اور وڈیروں سے اس عرصے میں وصول ہونے والی رقم بہ مشکل ۲۰ لاکھ بنتی ہے۔ لیکن جہاں تک 'اخراجات کا تعلق ہے چونکہ ملک میں اس طبقے کی حکمرانی ہے لہٰذا کسی نسبت تناسب کا کوئی سوال نہیں۔ سندھ کے وزیر اعلیٰ ۲۵ کروڑ روپے کی لاگت سے اپنے لئے خصوصی ہوائی جہاز خریدنا چاہتے ہیں۔ سابق وزیر اعلیٰ نے خطیر رقم دو ہیلی کاپٹر خریدنے اور ریسٹ ہاؤسز تعمیر کروانے پر خرچ کر دی تھی چنانچہ ۹۶۔۱۹۹۵ء کے بجٹ میں ۶ اعشاریہ ۲۹ بلین روپے کا خسارہ ظاہر کیا گیا ہے جسے پورا کرنا رعایا کے ذمہ ہے۔ (ڈان' ۹ دسمبر ۱۹۹۵ء)

علمبرداران دین اور پاکستانی مسلمان

اگر اسلام قبول کرنا ہے تو مکمل طور پر دین میں داخل ہونا ہو گا

مولانا مودودی نے فرمایا کہ سچا اور کھرا ووٹ ہی تو ہمارا افتخار ہے

جو اصل نظریہ پر قائم ہیں ان کا کوئی وسیع تر فورم ہونا چاہئے

تحریر : مولانا وصی مظہر ندوی

اس وقت پاکستان کی قومی اسمبلی میں تمام مذہبی جماعتوں یا علمبرداران دین کے نمائندوں کی مجموعی تعداد ۹ ہے جبکہ قادیانی گروہ کی طرف سے الیکشن کے بائیکاٹ کی وجہ سے اس وقت اقلیتی نمائندوں کی تعداد بھی ۹ ہے ورنہ یہ تعداد ۱۰ ہوتی۔ مذہبی جماعتوں کے ان نو نمائندوں میں سے بھی کم از کم ۲ نمائندے ایم کیو ایم کی طرف سے الیکشن کا بائیکاٹ کر دینے کی وجہ سے کامیاب ہو سکے۔

اسی طرح ۲۰۷ اراکین کے ایوان میں ۶ دینی جماعتوں کے مجموعی طور پر صرف سات یا نو امیدواروں کا اسمبلی تک پہنچنا جبکہ ان جماعتوں میں سے بعض نے تو پورے ملک میں زبردست انتخابی مہم چلائی جس مہم پر صرف مرکزی سطح سے کروڑوں روپے صرف ہوئے اگر مقامی اخراجات کو بھی شامل کر لیا جائے تو انتخابی مصارف ایک ارب یا اس سے زائد تک جا پہنچیں گے پھر ان جماعتوں کو الیکشن میں شرکت کے مساوی مواقع حاصل تھے انتخابات بھی منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوئے انتظامیہ کی طرف سے کسی کو مخصوص طور پر شکست دینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی اس کے باوجود دینی جماعتوں کی اس رسوا کن ہزیمت کے اسباب کیا ہیں اور ان اسباب و ہزیمت سے بچنے کے لئے آئندہ کیا تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں؟

یہ دونوں سوالات سنجیدہ و غور و فکر کے مستحق تھے اور مستحق ہیں یقین ہے کہ متعلق مذہبی جماعتوں نے اپنی اپنی تنظیمی سطحوں پر ان سوالات پر مناسب غور و فکر کیا بھی ہو گا۔ لیکن محض جماعتوں کی سطح تک بحث کا محدود رہنا کافی نہیں ہے کیونکہ پاکستان میں نفاذ اسلام کا مستقل ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس کے بارے میں پوری پاکستانی قوم دلچسپی لیتی رہی ہے چنانچہ ملک کا کوئی مسلم رائے دہندہ خواہ وہ کسی مذہبی جماعت کے ساتھ تنظیمی وابستگی رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو ان سوالات کی اہمیت سے قطع نظر نہیں کر سکتا۔

اس سلسلہ میں جماعت اسلامی کی سوچ اور نقطہ نظر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ ملک کی ایسی واحد جماعت ہے جو قیام پاکستان کے وقت سے بلکہ اپنی تاسیس کی ابتداء سے اسلامی ریاست کے قیام' غلبہ اسلام اور صالح قیادت کی ضرورت کو اپنے

> "۹۳ء کے الیکشن میں پاسبان کے اسٹیج سے جو کچھ ہوا وہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ کام کرنے کا نتیجہ ہی سمجھا جا سکتا ہے"

اولین مقاصد میں شامل قرار دیتی ہے جبکہ دیگر مذہبی جماعتیں قیام پاکستان سے قبل کسی نہ کسی بڑی سیاسی جماعت کی تابع اور اس کے مذہبی محاذ کے طور پر کام کرتی رہی ہیں اور اگر ان مذہبی جماعتوں کے رہنما برا نہ منائیں تو اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ پاکستان میں جماعت اسلامی کی سیاسی میدان میں پیش قدمی کو دیکھ کر مختلف فرقوں میں یہ خیال ابھرا کہ وہ بھی اپنے اپنے فرقوں کی خصوصی حمایت سے سیاسی میدان میں کچھ نہ کچھ حصہ حاصل کر سکتی ہیں اور اس طرح جماعت اسلامی کی پیش قدمی کو بھی روک سکتی ہیں ملک میں سیکولرزم کے حامیوں نے درپردہ ان فرقہ وارانہ احساسات کو اس لئے ہوا دی کیونکہ ان کے خیال میں یہی فرقہ وارانہ جماعتیں جماعت اسلامی کو زیادہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھنے سے روک سکتی تھیں۔

چنانچہ پنجاب کے پہلے صوبائی انتخاب میں جب جماعت اسلامی نے قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد پہلی بار الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کیا تو اہل حدیث' دیوبندی (تھانوی و مدنی) اور بریلوی علماء کی طرف سے جماعت اسلامی کی شدید مخالفت کا عوامی شور بلند ہو گیا جبکہ قرارداد مقاصد کی منظوری تک یہ سارے عناصر جماعت اسلامی کی تائید کرتے رہے تھے۔

بہرحال یہ بات خاصی حوصلہ افزا ہے کہ ۵۰ء سے ۹۵ء تک مذہبی جماعتوں کی باہمی مخاصمت کے نتیجے میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کو مکمل طور پر ایک لادین حکومت میں تبدیل کرنے کی جو کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور جن کے اندر اس وقت بہت تیز رفتاری پیدا ہو گئی ہے ان کو دیکھ کر ان مذہبی جماعتوں میں یکجہتی کی ضرورت کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ تاہم یہ احساس اب تک منفی بنیادوں پر قائم ہے غلبہ اسلام کی مثبت اور سنجیدہ طلب کو اب تک یکجہتی کی ضرورت اور شعور کی اساس نہیں بنایا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ پاکستان میں غلبہ اسلام کے لئے انتخابی طریقوں سے ہٹ کر جو قوتیں' جماعتیں اور اصحاب فکر کام کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں وہ یکجہتی کی ان کوششوں میں اب تک شریک نہیں ہو سکے ہیں چنانچہ اندیشہ ہے کہ مذہبی جماعتوں کی یکجہتی کی یہ کوششیں انتخابی بخار کے زمانے میں محض ایک انتخابی محاذ میں تبدیل ہو کر نہ رہ جائیں۔

اس طویل جملہ معترضہ کے بعد اب میں پھر جماعت اسلامی کے اس نقطہ نظر کو زیر بحث لانے کی طرف رجوع کر رہا ہوں جس کا ذکر اس جملہ معترضہ کے آغاز میں ہوا تھا۔

۸۸ء سے اب تک ہونے والے تین عام انتخابات میں مذہبی جماعتوں کی ناکامیوں میں مسلسل اضافے کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں لیکن جناب قاضی حسین احمد کی قیادت میں جماعت اسلامی نے جو انتخابی اور سیاسی لائحہ عمل اختیار کیا ہے اس کو دیکھ کر اندازہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی نے غالباً انتخابی شکست کا اصل سبب یہ سمجھا ہے کہ ۹۳ء سے قبل مذہبی جماعتوں اور بالخصوص جماعت اسلامی نے غیر مذہبی قیادتوں اور جماعتوں کے مقابلے میں خود کو متبادل قیادت فراہم کرنے والی قوت کی حیثیت سے کبھی پیش نہیں کیا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں بس ایک بار جماعت اسلامی نے متبادل قیادت فراہم کرنے کے دعوے کے ساتھ شرکت کی تھی لیکن اس کوشش میں ناکامی کے بعد اس نے ہمیشہ اپنے بارے میں قوم کو یہی تصور دیا کہ وہ بس ایک موثر صدائے احتجاج بلند کرنے والی چھوٹی اقلیت پارلیمنٹ میں بھیجنے کی اہل ہے یہی وجہ ہے کہ قوم اپنی قیادت اور پاکستان کا چارج سنبھالنے کے لئے یا تو مسلم لیگ کی طرف دیکھتی رہی ہے یا پیپلز پارٹی کی طرف۔ چنانچہ جماعت اسلامی کی سوچ اب یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ملک کے عوام کے سامنے ایک متبادل اور اہل تر قیادت پیش کرنے کی قوت کی حیثیت سے خود کو متعارف کرائے اس طرح وہ ایک دو الیکشنوں کے بعد طلب اقتدار کے اکھاڑے میں جوڑ کے ایک پہلوان کی حیثیت حاصل کر لے گی اور ایک نہ ایک دن وہ اقتدار کے دوسرے حریفوں کو پچھاڑ کر قصر اقتدار پر قبضہ کر کے اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر سکے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ۹۳ء کے الیکشن میں بظاہر سخت ترین ہزیمت کے باوجود نیز داخلی و خارجی شدید تنقیدوں کے باوصف جماعت اسلامی کی قیادت اپنی پالیسی کو درست سمجھتی رہی کہ وہ کسی غیر مذہبی جماعت کا سہارا لئے بغیر خود میدان میں اترے اور قوم کے سامنے خود کو متبادل قیادت کے طور پر پیش کرے۔ جبکہ ناقدین کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی خود تو نہ جیت سکی مگر اس نے نواز شریف کو شکست سے دوچار کر کے بے نظیر کو اقتدار کی مسند پر پہنچا دیا۔ جماعت اسلامی ناقدین کے اس اعتراض کو رد نہیں کرتی مگر وہ یہ کہتی ہے کہ یہ دونوں جماعتیں اپنے لادین مزاج کے لحاظ سے ایک ہی ہیں ہم ان میں سے کسی ایک کی کامیابی کے لئے آخر اپنا کندھا کیوں پیش کریں ہم تو غلبہ اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں ہم کو اس سے بحث نہیں کہ اس جنگ میں ہمارے داخل ہونے کے نتیجے میں کون سی شر کی قوت کامیاب ہوتی ہے اور کون سی ناکام' ہم کو تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم نے غلبہ اسلام کے لئے صحیح راہ پر قدم اٹھایا ہے یا نہیں۔

> "اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ پاکستان میں جماعت اسلامی کی سیاسی میدان میں پیش قدمی کو دیکھ کر مختلف فرقوں میں یہ خیال ابھرا کہ وہ بھی اپنے اپنے فرقوں کی خصوصی حمایت سے سیاسی میدان میں کچھ نہ کچھ حصہ حاصل کر سکتی ہیں اور اس طرح جماعت اسلامی کی پیش قدمی کو بھی روک سکتی ہیں ملک میں سیکولرزم کے حامیوں نے درپردہ ان فرقہ وارانہ احساسات کو اس لئے ہوا دی کیونکہ ان کے خیال میں یہی فرقہ وارانہ جماعتیں جماعت اسلامی کو زیادہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھنے سے روک سکتی تھیں"

جماعت اسلامی کی سوچ کے اس انداز کو یکسر غلط قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ کہ "خلافت راشدہ" کے خاتمے کے بعد سے تاریخ میں یہی صورت حال دیکھی جاتی رہی ہے کہ دینی قوتیں بالعموم کسی نہ کسی دنیا پرست قیادت کی حاشیہ بردار رہی ہیں اور اگر کسی دینی قوت نے دنیا پرست قیادتوں سے یکسر کٹ کر خالص غلبہ دین کی کوشش کی بھی ہے تو حسین ابن علیؓ سے لے کر حضرت سید احمد شہیدؒ تک سب کا انجام اندوہناک ناکامی ہی کی صورت میں دیکھنے میں آیا ہے۔

ان پیہم ناکام تجربات کی وجہ سے ایک طرف تو علمبرداران دین بالعموم مزید مایوسی کا شکار ہو کر دنیا پرست قیادتوں کے حاشیہ نشین بنے رہنے ہی کو اپنی بڑی کامیابی سمجھنے لگتے ہیں دوسری طرف یہ بھی ہوا ہے کہ بعض علمبرداروں نے کامیابی کے لئے دنیا پرستوں کے ایسے طریقے اور ایسی تدبیروں کو اپنانے میں بھی مضائقہ نہیں سمجھا جو اسلامی تعلیمات اور شرعی اصولوں کے مطابق جائز نہیں ہیں اور اپنے اس طرز عمل کے جواز کے لئے کبھی الحرب خدعۃ (جنگ دھوکے اور فریب سے لڑی جاتی ہے) اور کبھی صحیح اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے ہر وسیلہ استعمال کرنے کو جائز سمجھنے کو بطور عذر پیش کرتے رہے ہیں۔

چنانچہ انتخابی مہم میں "بڑھکیں مارنا" عوام کو متوجہ کرنے کے لئے ڈھول ڈھمکے کا سہارا لینا' اصل ووٹر دستیاب نہ ہونے کی صورت میں کسی اور کو ووٹ ڈالنے کے لئے استعمال کرنا' مخالفین کو بدنام کرنا' نعرے بازی اور ہلڑ بازی سے عوام کو مرعوب کرنا وغیرہ طریقے اپنانے میں یہ حضرات کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

بہاولپور ریاست کے الیکشن میں جماعت اسلامی کی تائید سے ایک بڑے عالم دین بھی امیدوار تھے میں جماعت کے ایک کارکن کی حیثیت میں پولنگ اسٹیشن پر ووٹروں کی پرچیاں بنانے پر مامور تھا۔ ان محترم عالم دین کے شاگرد علماء میرے پاس لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے اور کہتے کہ کسی بھی ایسے ووٹر کے نام سے پرچی بنا دو جس کا ووٹ اب تک نہ ڈالا گیا ہو۔ میں اس غلط کام سے روکتا تو کہتے کہ جماعت اسلامی کے یہ کارکن دراصل ہمارے استاد کو شکست دلانے کے لئے آئے ہیں ورنہ الیکشن میں بھلا جعلی ووٹوں کے بغیر کیسے کامیابی مل سکتی ہے!!

پنجاب کے پہلے صوبائی الیکشن میں ہر ووٹر کو دو ووٹ دینے کا حق تھا ایک مہاجر امیدوار کے لئے اور ایک مقامی امیدوار کے لئے۔ جماعت اسلامی نے اچھرے سے مہاجر نشست پر مولانا امین احسن اصلاحی کو اپنا امیدوار بنایا تھا جبکہ مقامی نشست پر جماعت کا کوئی امیدوار نہ تھا پولنگ دو دن جاری رہنی تھی۔ مزنگ کے پولنگ اسٹیشن پر میری ڈیوٹی تھی پہلے روز رات کو جب ہم لوگ مولانا مودودیؒ کو اپنی رپورٹ

دینے کے لئے گئے تو میں نے ایک مقامی نشست کے امیدوار کے بارے میں بتایا کہ اس کو بہت ووٹ مل رہے ہیں جبکہ اس کے ووٹر اپنا دوسرا ووٹ استعمال ہی نہیں کرتے اگر اس امیدوار سے بات کر کے اس کو آمادہ کر لیا جائے کہ اس کے ووٹر اپنا دوسرا ووٹ مہاجر نشست پر مولانا امین احسن اصلاحی کے لئے استعمال کر دیا کریں تو مولانا کی کامیابی کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے کمال شفقت کے ساتھ مجھ سے پوچھا کہ "اس مقامی امیدوار کے ووٹر کیا اصلی ووٹر ہیں؟" میں نے جواب دیا کہ ہیں تو وہ جعلی ووٹر ہی وہ تو دراصل اس کے مزارع ہیں جن کو وہ ایک پولنگ اسٹیشن سے دوسرے پولنگ اسٹیشن لے جا کر ووٹ ڈالتا ہے میرا جواب سن کر مولانا مودودیؒ نے فرمایا۔ "ہمارا افتخار تو یہی ہے کہ ہماری جھولی میں جو ووٹ بھی آیا ہے وہ سچا اور کھرا ہے اگر ہم بھی جعلی ووٹ لینا شروع کر دیں تو ہمارا یہ افتخار ختم ہو جائے گا"۔

مگر جماعت اسلامی کے پھیلاؤ اور الیکشنوں میں ناکامیوں کی وجہ سے یہ بلند معیار قائم نہ رہ سکا۔ میں ۷۰ء کے الیکشن میں جماعت اسلامی کی طرف سے قومی اسمبلی کا امیدوار تھا مگر ۳۵ ہزار سے زائد ووٹ حاصل کرنے کے باوجود صرف ۵۰۰ ووٹوں کی کمی کی وجہ سے مجھے شکست ہو گئی۔ سندھ میں دیگر مقامات پر بھی جماعت کو شکست ہوئی اس کے نتیجے میں جماعت نے حیدر آباد کی دو صوبائی نشستوں سے اپنے امیدواروں کو الیکشن سے دستبردار کر کے صرف ہیر آباد کی نشست سے پروفیسر عنایت علی خان کو بطور صوبائی امیدوار برقرار رکھا۔ شکست کی اس نفسیاتی حالت میں جب میں ہیر آباد کے پولنگ اسٹیشنوں کا جائزہ لینے کے لئے گیا تو مجھے یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ لطیف آباد سے بہت سی خواتین جعلی ووٹ ڈالنے کے لئے ہیر آباد آئیں اور انہوں نے خوب خوب جعلی ووٹ ڈالے خود میری ایک رشتہ دار خاتون نے اقرار کیا کہ اس نے اب تک متعدد جعلی ووٹ ڈالے ہیں اور مزید ووٹ ڈالنے جا رہی ہے۔ میں نے انا للہ پڑھ کر کہا کہ آج واقعی مجھے شکست ہوئی کہ میں تم کو بھی یہ نہ سمجھا سکا کہ جعلی ووٹ ڈالنا جائز نہیں ہے۔

کسی کو ملامت کرنا مقصود نہیں لیکن ۹۳ء کے الیکشن میں پاسبان کے اسٹیج سے جو کچھ ہوا وہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ کام کرنے کا نتیجہ ہی سمجھا جا سکتا ہے اس قسم کی ذہنیت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہر انتخابی ناکامی کے بعد جماعت اسلامی کے کارکن اپنے اخلاقی اصولوں میں زیادہ سے زیادہ ڈھیل پیدا کرنے کی طرف مائل ہوتے چلے گئے۔

بہرحال اسلامی تاریخ کے تجربات کی روشنی میں مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے سیاسی میدان میں علمبرداران دین کی مسلسل ناکامی کا اصل سبب یہ قرار دیا تھا کہ عوام کی بھاری اکثریت دین کے اس حقیقی مفہوم سے ناآشنا ہے جس مفہوم کے مطابق انسانی زندگی ایک "کل" ہے اسے دین اور دنیا کے الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اگر اسلام کو بطور دین اختیار کرنا ہے تو انسان کو مکمل طور پر اس دین میں داخل ہونا ہو گا اور زندگی کے کسی حصے میں بھی "قیصر" کی حکمرانی نہیں چلے گی اگر انسان دنیوی اور اجتماعی معاملات میں اللہ کی ہدایت اور احکام سے بے نیازی اختیار کرتا ہے تو محض چند مذہبی رسوم کو اپنانے سے وہ دین اسلام کے تقاضے پورے نہ کر سکے گا۔

یہی وجہ ہے کہ مرحوم کا سارا لٹریچر دین کے اسی جامع مفہوم کی تشریح و تفسیر ہے اور وہ اس جامع مفہوم کو شعوری طور پر قبول کرنے والوں ہی کے

> "اندیشہ ہے کہ مذہبی جماعتوں کی یکجہتی کی یہ کوششیں انتخابی بخار کے زمانے میں محض ایک انتخابی محاذ میں تبدیل ہو کر نہ رہ جائیں"

ذریعہ حقیقی غلبہ اسلام کو ممکن سمجھتے تھے۔

قرن اول کے مسلمان دین کے اسی حقیقی مفہوم پر ایمان لائے تھے وہ کسی تفریق دین و سیاست کو قبول نہیں کر سکتے تھے اور اس لئے انہوں نے "خلافت راشدہ" جیسا مثالی نظام چلا کر دکھا دیا۔ لیکن جب معاشرہ تقسیم دین و سیاست کی طرف واپس لوٹا تو پھر "ہوس کی امیری" اور "ہوس کی وزیری" کا دور شروع ہو گیا۔

غالباً ۱۹۷۵ء کی ابتدائی سہ ماہی میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں امیر جماعت اسلامی پنجاب چودھری غلام جیلانی مرحوم نے لاہور کے ایک ضمنی انتخاب میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف غلام مصطفیٰ کھر کی بغاوت اور ان کی انتخابی مہم کی رپورٹ دیتے ہوئے بتایا کہ کھر صاحب کے بڑے بڑے جلسوں، جلوسوں اور عوام کے جوش و خروش کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پورا لاہور بھٹو صاحب اور پیپلز پارٹی کے خلاف ہو گیا ہے۔ اس موقعہ پر کسی رکن شوریٰ نے سوال کیا کہ پیپلز پارٹی کے خلاف اس عمومی بغاوت میں کیا جماعت اسلامی کے لئے آگے بڑھنے کا کوئی موقعہ ہے؟ تو مرحوم غلام جیلانی مرحوم صاحب نے بڑے افسوس لیکن نہایت صفائی سے اعتراف کیا کہ جماعت اسلامی کے لئے کوئی موقعہ نہیں کیونکہ مرحوم کے بقول اہل پنجاب بہت "دنیا پرست" ہیں ان کے اس جواب سے شوریٰ میں اہل پنجاب کے بارے میں بحث شروع ہو گئی۔ بعض حضرات نے ان کو دنیا پرست قرار دینے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے مذہبی تحریکوں میں اہل پنجاب کی شمولیت اور بھاری قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے قادیانیوں کے خلاف تحریک میں اہل پنجاب کی قربانیوں کا خاص طور پر ذکر کیا۔ میں نے اس موقعہ پر کہا کہ اہل پنجاب دنیا پرست نہیں بلکہ بڑے مذہبی لوگ ہیں اور اپنے مذہب کے لئے جان و مال کی ہر قربانی دے سکتے ہیں البتہ وہ مذہب کے بارے میں محدود تصور رکھتے ہیں۔ سیاست اور دنیوی مسائل ان کے مذہبی تصورات کے مطابق مذہب کے دائرے میں نہیں آتے۔ مولانا مودودی نے میری بات کو درست قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ۷۰ء کے الیکشن میں جماعت اسلامی کو صرف ان لوگوں نے ووٹ دیئے جن کو جماعت اسلامی نے دین کا جامع تصور سمجھانے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ چنانچہ جماعت اسلامی کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوام کو دین کا جامع تصور سمجھانے میں ہم کو کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں جماعت اسلامی کے اصحاب فکر و نظر کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ ان کی بنیادی رائے سے اتفاق کرنے کے باوجود کہ جماعت کو کسی بھی دنیا پرست جماعت کا حاشیہ بردار نہیں بننا چاہئے بلکہ اس پورے "جہاں مستعار" کو پھونک کر اس کی خاکستر سے "آپ اپنا جہاں" پیدا کرنا چاہئے۔ تاہم اس کوشش میں کامیابی اسی نسبت سے ہو گی جس نسبت سے ہم معاشرے میں دین کے جامع تصور کو متعارف اور مقبول بنانے میں کامیابی حاصل کرتے چلے جائیں گے۔

چونکہ جماعت اسلامی کی قیادت اور کارکنان الحمد للہ خود دین کے اس جامع تصور کو اچھی طرح جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں اور چونکہ جماعت اسلامی کے جانثار لٹریچر اور کارکنوں کی ان تھک جدوجہد سے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

چیچنیا پر روسی حملہ اور مغرب کا منافقانہ کردار

چیچن یہ جنگ روس کے اندر لڑنا چاہتے ہیں

صدر یلسن چیچن مجاہدین کے خلاف کارروائی کر کے خود ہی ننگے ہو رہے ہیں !

روسی فوج کے پاس جذبہ نام کی کوئی شے نہیں ہے !

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

گزشتہ برس چیچنیا پر حملے کو روس کا داخلی معاملہ قرار دے کر مغربی ممالک نے جو ڈھٹائی مول لی تھی' اس کا سبب ان کا یہ یقین تھا کہ یلسن سے بہتر جمہوریت پسند شخص ملنا مشکل ہو گا' لہٰذا اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ مگر بدخوئی روسیوں کی گھٹی میں جو پڑی ہوئی ہے ان سے کسی خیر کی توقع عبث ہے۔ ذہنی اور جسمانی افلاس سے دوچار صدر یلسن آئندہ صدارتی انتخابات میں کامیابی کی خاطر کسی بھی گھٹیا حرکت سے گریز نہیں کریں گے۔ گزشتہ جمعہ کے روز ایک نیوز کانفرنس کے دوران صدر یلسن نے اچھل' کود اور چیخ' چنگھاڑ کے وہ سارے کرتب دکھائے جن کی روسی لیڈروں کو عادت ہے۔ لیکن

> "ملکی سالمیت کا مسئلہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو یلسن کے غیظ و غضب کا اصل سبب تیل ہے۔ بحیرہ کیسپین میں تیل کے وسیع ذخائر موجود ہیں جنہیں یا تو ترکی کے راستے پائپ کے ذریعے بحیرۂ روم تک لایا جا سکتا ہے یا کاکیشیا کی دوسری طرف لا کر بحیرۂ احمر میں روسی ٹینکروں میں لادا جا سکتا ہے"

چیچنیا والوں کو سبق سکھانے کے دعوؤں سے روسی عوام کو خوش کرنا اب مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ داغستان میں ملٹری اپریشن کی بدنمائی اور غلط سرکاری اطلاعات نے عوام کو یلسن حکومت سے بدظن ہی نہیں کیا بلکہ یہ خوف بھی جڑ پکڑ رہا ہے کہ کہیں چیچنیا والے یہ جنگ روس کے اندر تک نہ لے آئیں جس کا کہ وہ پہلے ہی دو مرتبہ کامیاب مظاہرہ کر چکے ہیں۔ چرنا مرڈین (Chernomyrdin) کو' جنہوں نے گزشتہ جون میں یرغمالیوں کی رہائی کے لئے مذاکرات کئے تھے' زبردست تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ اس کی نالائقی سے باغی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ چالیس فیصد روسی اس کے حق میں تھے کہ پرومائیسکیا (Peromaiskaya) پر ناپام بم گرائے جائیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد میں لوگ چاہتے تھے کہ ایک ہی دفعہ بھرپور حملہ کر کے قصہ چکا دیا جائے۔ اس قسم کے تبصرے بھی سننے میں آئے کہ سٹالن ہوتے تو چند گھنٹوں میں فیصلہ ہو جاتا' پرومائیسکیا' پر گزشتہ جمعرات کی شب دھاوا بولتے ہوئے یلسن جس کامیابی کی خوش خبری دے رہے تھے وہ بہرحال دھری کی دھری رہ گئی۔

صدر یلسن کو معلوم ہونا چاہئے کہ چیچنیا والوں کے ساتھ سنجیدہ مذاکرات کر کے جنگ کو ختم کرنے کی بجائے انہیں مزہ چکھانے کا شوق پورا کرتے کرتے وہ رہا سہا بھرم بھی گنوا دیں گے۔ پچھلے سال کے آغاز میں حملے کے وقت روسی فوج نے چیچنیا کے دارالحکومت گروزنی کو تباہ کرنے میں جس بھونڈے پن کا مظاہرہ کیا تھا اس سے ہی ان کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں تھیں۔ روسیوں کو چیچنیا کے گاؤں اور قصبوں میں وقفے وقفے سے جنگی کارروائیاں کرتے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے۔ اس دوران ۳۰ ہزار چیچن مارے جا چکے ہیں مگر امن کے ابھی تک کہیں کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ معلوم ہوتا ہے وہ لوگ ختم ہو جائیں گے لیکن ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ روسی فوج کے مقابلے میں جس کے پاس نہ کوئی جذبہ ہے' نہ ارادہ چیچن جنون کی حد تک کٹ مرنے کے لئے تیار ہیں۔

ترکی میں کشتی کا یرغمالی بنائے جانے کا واقعہ جو پرامن طور پر گزر گیا یہ ثابت کرتا ہے کہ روسی ملک سے باہر کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس طرح کے واقعات پسندیدہ شمار نہیں ہوتے۔

ملکی سالمیت کا مسئلہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو یلسن کے غیظ و غضب کا اصل سبب تیل ہے۔ بحیرہ کیسپین میں تیل کے وسیع ذخائر موجود ہیں جنہیں یا تو ترکی کے راستے پائپ کے ذریعے بحیرۂ روم تک لایا جا سکتا ہے یا کاکیشیا کی دوسری طرف لا کر بحیرۂ احمر میں روسی ٹینکروں میں لادا جا سکتا ہے۔

داغستان میں یرغمالیوں سے متعلق قضیئے کے برعکس کشتی کے چھڑانے کا مسئلہ باآسانی طے پا گیا۔ اس لئے کہ نہ تو ترکی کی حکومت کسی خون خرابے کی متحمل ہو سکتی تھی کیونکہ اسے ملک کے اندر بنیاد پرستوں کا سامنا ہے' ویسے بھی وہ کاکیشیا میں کسی اہم کردار کا خواہاں ہے اور نہ ہی کشتی پر قبضہ کرنے والا گروہ ترکی کو ناراض کر کے اس کی حمایت سے محروم ہونا چاہتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کشتی اغوا کرنے والوں کے پاس وہ گولہ بارود موجود بھی تھا یا نہیں جس سے انہوں نے کشتی کو اڑانے کی دھمکی دی تھی جس میں دو سو مسافر سوار تھے جو زیادہ تر روسی تھے۔

شمال سے صرف چیچن دہشت گردی ہی نہیں'

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

پاکستان ..... سرجیکل آپریشن کی ضرورت؟

حکومتی مشینری کے تمام ستون بے کار ہو چکے ہیں

جرائم سے روکنے والی تمام قوتیں دم توڑ چکی ہیں

لاقانونیت نے پاکستان کے بارے میں خوش فہمی پر کاری ضرب لگائی ہے

پاکستان کے معروف دانشور' مؤرخ اور ریورو کریٹ ڈاکٹر صفدر محمود کا چونکا دینے والا مضمون

دیال سنگھ کالج لائبریری میں بم پھٹا چنانچہ کسی علم دشمن دہشت گرد کی کارستانی کے نتیجے کے طور پر بہت سے طلبہ زخمی ہو گئے اور کروڑوں روپے کی نادر کتابیں لمحوں میں جل کر راکھ ہو گئیں۔ میں نے یہ خبر سنی تو مجھے تاتاریوں کے حملوں کی داستانیں یاد آ گئیں جن کے کارناموں سے تاریخ کے صفحات آج بھی انسانی خون سے آلودہ نظر آتے ہیں۔ بغداد پر حملہ کیا گیا تو انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرنے کے علاوہ قیمتی کتابوں اور نایاب قلمی نسخوں کے قیمتی خزانے دریا میں بہا دیئے گئے۔ یوں دنیائے اسلام کے علاوہ بنی نوع انسان کی سطح پر پھیلتی ہوئی علم کی روشنی مدھم کر دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کتابوں میں سائنسی اور طبی کتب کا نایاب ذخیرہ موجود تھا جن کے ضائع ہونے سے انسان سائنسی اور علمی میدان میں کئی صدیاں پیچھے چلا گیا۔ دیال سنگھ لائبریری پاکستان کی بہترین لائبریریوں میں شمار ہوتی تھی اس کی تباہی سے علم کا ایک ایسا خزانہ تباہ ہو گیا جو صدیوں کی محنت سے معرض وجود میں آتا ہے۔

ہر روز اخبارات میں قتل' عورتوں سے زیادتی اور ڈاکہ زنی کی خبریں پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ گویا انسان ہی انسان کا دشمن ہے اور خود انسان نے بنی نوع آدم کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس قدر نقصان حیوانوں اور آسمانی آفات نے نہیں پہنچایا۔ یوں تو ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور اس حوالے سے خون کے رشتے میں منسلک ہیں لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انسان ہی انسان کے خون کا پیاسا ہوتا ہے اور وہ جب انسانی خون سے پیاس بجھانے پر اترتا ہے تو حیوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ وہ سانپ اور بچھو سے زیادہ زہریلا اور بھڑیئے سے زیادہ خونخوار بن جاتا ہے۔ ایک فلاسفر کے بقول کہ جانور کے رویئے کے بارے میں تو پیشین گوئی کی جا سکتی ہے یعنی کہا جا سکتا ہے کہ سانپ کاٹے گا' بچھو ڈنگ مارے گا' شیر حملہ آور ہو گا اور لومڑی دم دبا کر بھاگ جائے گی لیکن انسانی فطرت میں ان جانوروں کی تمام صفات بیک وقت موجود ہیں اس لئے یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ کس وقت سانپ کی مانند کاٹے گا' کب کتے کی طرح بھونکے گا اور کب لومڑی بن کر بھاگ جائے گا۔

> "کراچی میں انسانی خون پانی کی مانند بہہ رہا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے قوم کرکٹ کی رنزوں کی مانند لاشوں کا سکور گننے میں مصروف ہے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں بم دھماکوں' لوٹ مار' ڈاکے' قتل و غارت اور خواتین سے زیادتی کا سلسلہ خطرناک حد تک بڑھتا جا رہا ہے"

مشکل یہ ہے کہ انسان ان حیوانی صفات پر قابو پاتا ہے علم و تربیت سے اور علم صرف سکولوں اور کالجوں میں حاصل نہیں ہوتا کیونکہ تعلیمی اداروں کی چار دیواری میں دی جانے والی تعلیم محض انسان کی معلومات میں اضافہ کرتی ہے' اسے نوکری کے قابل بناتی ہے اور مزید علم کے حصول کے لئے زمین ہموار کرتی ہے۔ بدقسمتی سے انسان کو انسان بنانے والے علم اور تربیت کے اسباب اور مواقع گھٹتے جا رہے ہیں۔ انسان میں غور و خوض کرنے اور اپنی تربیت پر توجہ دینے کا رجحان ماند پڑ رہا ہے چنانچہ ہم شاید صنعتی اور سائنسی میدان میں تو آگے بڑھ رہے ہیں لیکن اخلاقی میدان میں ..... انسانیت کے میدان میں ..... زوال کا شکار ہیں۔

کراچی میں انسانی خون پانی کی مانند بہہ رہا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے قوم کرکٹ کی رنزوں کی مانند لاشوں کا سکور گننے میں مصروف ہے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں بم دھماکوں' لوٹ مار' ڈاکے' قتل و غارت اور خواتین سے زیادتی کا سلسلہ خطرناک حد تک بڑھتا جا رہا ہے۔ صبح صبح اخبار پڑھنا گویا آگ اور خون کے دریا سے گزرنا ہوتا ہے۔ پولیس تو شہریوں پر یوں جھپٹتی ہے جیسے کئی روز کا بھوکا پیاسا انسان کھانے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ کل ہی اخبار میں خبر تھی کہ پولیس مقابلے میں ایک بیس اکیس برس کے نوجوان کو پار کر دیا گیا۔ عینی شاہدوں کا بیان تھا کہ ایک معصوم سے نوجوان کو ایک سفید کار سے اتارا گیا پھر گولیوں کے

ساتھ ایک انسانی چیخ بلند ہوئی اور ایک نوجوان کی لاش سڑک پر پڑی تھی۔ مرحوم کے والد کا کہنا تھا کہ پولیس نے اس سے ایک لاکھ روپے مانگے تھے اس نے بڑی مشکل سے پچاس ہزار روپے اکٹھے کئے اور تھانے والوں کو بتایا کہ وہ بیٹے کی رہائی کے لئے پچاس ہزار ادا کر سکتا ہے۔ جواب ملا کہ اب وقت گزر چکا ہے اور پھر اگلے روز سچ مچ وقت گزر گیا اور نوجوان کا وقت ختم ہو گیا۔ اسے پولیس مقابلے میں عالم فانی سے رخصت کر دیا گیا۔ محلے والوں نے احتجاج کیا اور بیانات دیئے کہ انہوں نے کبھی اس نوجوان کے ہاتھ میں غلیل تک نہیں دیکھی۔ یہ نوجوان والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کی والدہ کا انتقال چند ہی روز قبل ہوا تھا۔ مرحوم کی بہن نے دھاڑیں مارتے ہوئے جو بین کئے وہ اخبارات کے پہلے صفحے پر قوم کی غیرت جگانے اور خون کے آنسو رلانے کے لئے چھاپے گئے تھے۔ مرحوم کی بہن نے سینہ کوبی کرتے ہوئے کہا تھا کہ ظالموں نے ہماری نسل ہی ختم کر دی۔

یہ سطور لکھتے ہوئے بھی میرے کانوں میں اس بین اور آہ و فریاد کی آواز گونج رہی ہے۔ کسی انسانی معاشرے میں ایسا ہوتا تو قیامت آ جاتی اور ایوان اقتدار کی دیواریں ہلنے لگتیں لیکن بدقسمتی سے ہم ایک بے حس معاشرے میں زندہ ہیں جسے حیوانی معاشرہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

افسوس یہ کہ ایک دن کا رونا نہیں' ہر روز اخبارات ایسے درجنوں واقعات سے بھرے ہوتے ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم لاقانونیت کے سمندر میں رہ رہے ہیں۔ شام کو خیریت سے گھر لوٹ آئیں تو اسے اللہ کا فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ سمجھیں ورنہ اس میں حکومتی مشینری' معاشرتی نظام یا قانون کی طاقت کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ ریاستی ڈھانچے کے یہ ستون ریزہ ریزہ ہو کر ہمارے لئے عبرت کا نشان بن چکے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس طوفان کے آگے بند کیسے باندھا جائے؟ ہم سب جانتے ہیں کہ انسان کو قتل و غارت' لوٹ مار اور ظلم و ستم سے خوف خدا روکتا ہے یا قانون اور احتساب کا ڈر۔ غلط کام کرتے ہوئے اندر سے بریک صرف اسی صورت میں لگتی ہے کہ یا تو انسان کو آخرت کا خوف ہو یا پھر یہ احساس ہو کہ وہ قانون کے ہاتھوں نہیں بچ سکے گا۔ مغربی دنیا میں قانون کی گرفت اور عملداری نے خاصی حد تک لاقانونیت کے طوفان کے سامنے بند باندھ رکھا ہے کیونکہ ان ممالک میں تمام تر اخلاقی بیماریوں کے باوجود قانون کی مساوات اور عملداری کا نظام نافذ ہے چنانچہ ایک عام شہری قانون توڑنے یا بڑے سے بڑا بااثر انسان' وہ قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ رائے عامہ زندہ ہے' احتسابی نظام' طاقتور اور مکمل آزاد پریس نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ حکمران' انتظامیہ اور شہری قانون شکنی سے ڈرتے ہیں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ معاشرے سے خوف خدا بھی ختم ہو چکا ہے اور قانون کے تقدس کا تصور بھی دم توڑ چکا ہے۔ ان حالات میں انسان کو قانون شکنی سے کونسی طاقت روک سکتی ہے؟ انسان معاشرے کے رجحانات اور مجموعی فضا سے متاثر ہوتا ہے۔ بظاہر بااثر اور بڑے لوگوں کی تقلید کرتا ہے اور ہوا کے رخ کے مطابق چلتا ہے۔ جب معاشرے میں آوے کا آوا ہی بگڑ جائے' بڑوں چھوٹوں کی لوٹ مار کی کہانیاں زبان زدعام ہوں' سڑکوں سے لے کر محلات تک قانون کو پاؤں تلے روندا جا رہا ہو' لاقانونیت کی آندھی چل رہی ہو اور احتساب و انصاف کے چراغ بجھ چکے ہوں تو ایسے میں لاقانونیت کے سمندر کو روکنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت پاکستانی معاشرہ بھی ایسی ہی دردناک صورتحال کی تصویر بن چکا ہے اور ہم اس قدر

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

"یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انسان ہی انسان کے خون کا پیاسا ہوتا ہے اور وہ جب انسانی خون سے پیاس بجھانے پر اترتا ہے تو حیوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ وہ سانپ اور بچھو سے زیادہ زہریلا اور بھڑیئے سے زیادہ خونخوار بن جاتا ہے"

سیاسی غزل

شاتم دین لیڈر کی نذر

کتنے بے شرم ہیں اس ملک کے بعضے لیڈر
دیں کے پروانوں پہ دہشت کا گماں رکھتے ہیں

خوف سے دینِ مبیں کے یہ ہوئے ہیں عاجز
آستینوں میں چھپی نوکِ سناں رکھتے ہیں

فخر ہے ان کو غلامی پہ عدو کی افسوس
اپنی پیشانی پہ ذلت کا نشان رکھتے ہیں

حق پرستوں پہ ہے دشنام طرازی ہر دم
گالیاں دینے میں مصروف زباں رکھتے ہیں

اس قدر سبز قدم ہیں یہ زمانے بھر کے
دھول اڑ جاتی ہے یہ پاؤں جہاں رکھتے ہیں

ان کی پیشانی پہ ہے داغِ غلامی روشن
فخر سے داغ کو ہر وقت عیاں رکھتے ہیں

ان سے انصاف کی امید نہ رکھنا ہرگز
راہ گم کردہ ہیں ایمان کہاں رکھتے ہیں

ان کی پیشانی نہیں جھکتی خدا کے آگے
اپنے ایماں کو یہ مرہونِ بتاں رکھتے ہیں

دیکھنا ایک دن اُڑ جائیں گے ان کے پرزے
ہم بھی آخر نگہِ دیدہ وراں رکھتے ہیں

خود ہیں دہشت کے پجاری یہ ستمگر اسرار
بغض اسلام سے یہ دل میں نہاں رکھتے ہیں!

پروفیسر اسرار احمد سماوری

اس "دلبستی" کو اللہ کے نور سے منوّر کرنا ہو گا!

نجیب صدیقی

دین سے ہمارا تعلق بعض رسومات کی پیروی رہ گیا ہے

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ سفر میں تھے' شام ہو گئی' قریب کی بستی میں جا کر معلوم کیا کہ یہاں مسلمانوں کے کتنے گھر ہیں' بتایا گیا کہ صرف دو گھر ہیں جو محنت مزدوری کر کے گزر بسر کرتے ہیں بزرگ نے وہاں قیام کا ارادہ فرمایا۔ دوران قیام میزبان سے دریافت کیا کہ آپ مسلمان تو ہیں مگر اس بات کی کیا علامت ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم محرم پر تعزیہ نکالتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں اور بس!!

یہ سن کر وہ بزرگ کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر کہنے لگے' دیکھنا یہ عمل مت چھوڑنا۔ صبح ہوتے ہی اپنے چند شاگردوں کے ساتھ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ شاگردوں نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ زندگی بھر محرم میں تعزیہ اور ماتم کے خلاف تقریریں کرتے رہے ہیں' یہاں اس کی تلقین کر رہے تھے۔ استاد نے جواب دیا یہ بیچارے اسلام کو صرف تعزیہ اور ماتم تک محدود سمجھتے ہیں میرے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ میں انہیں دین کی تعلیم دیتا اگر اس علامت کو بھی ان سے چھین لیتا تو یہ اپنے کو مسلمان سمجھنا چھوڑ دیں گے۔ اللہ کا کوئی بندہ آئے گا اور ان کی اصلاح کر دے گا۔

بعینہ یہی حال ہمارا بھی ہے دور ملوکیت نے ہم سے وہ عادلانہ نظام چھین لیا' رہی سہی کسر مختلف اقوام کی غلامی نے پوری کر دی۔ اب دین چند رسومات کا نام رہ گیا ہے۔ ان میں بھی مشرک اقوام کے طور طریقے نمایاں حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ہم نے میلوں ٹھیلوں کو مشرف بہ اسلام کر کے دین میں داخل کر لیا اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہی ہمارے تہوار بن گئے۔

قرآن کریم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور اصلاح کے لئے جب بھی کوئی نبی آیا تو قوم نے یہ دلیل دی کہ "مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَ نَا" ہم نے اپنے باپ دادوں کو یہی کرتے دیکھا ہے۔ کیا ہمارے باپ دادا غلط ہو سکتے ہیں' یہ کہہ کر نبی کو جھٹلا دیا۔

دین میں رسومات کو داخل کرنے والے عموماً امراء ہوتے ہیں' جنہیں قرآن "مترفین" کے نام سے پکارتا ہے۔ یہ لوگ اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لئے نئے نئے طریقے اختیار کرتے ہیں اور عوام الناس ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اس طرح وہ رسومات زندگی کا ایک حصہ بن جاتی ہیں۔ وہ مذہبی طبقہ بھی ان "مترفین" کے ساتھ ہو جاتا ہے جس کے مفادات ان سے وابستہ ہوتے ہیں اور وہ طبقہ ان رسومات کو مذہب کا لبادہ پہنا دیتا ہے۔ اس طرح ان دونوں کی گٹھ جوڑ سے دین کا ایک نیا ایڈیشن تیار ہو جاتا ہے اور عوام الناس چار و ناچار اس کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ انبیاء کی دعوت کی مخالفت سب سے پہلے یہی "مترفین" کا طبقہ کرتا رہا ہے اور ان کی پشت پر وہ درباری علماء

> "کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ سمجھ کر مت پڑھنا، سمجھ کر پڑھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، اس کو سمجھنے کے لئے چودہ علوم سیکھنے پڑیں گے"

ہوتے ہیں جن کے مفادات ان سے وابستہ ہوتے ہیں۔

آج بھی ہمارا معاشرہ ان رسومات کی آماجگاہ بن چکا ہے جنہیں تقدس کا درجہ دینے کے لئے باقاعدہ ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ عوام الناس کا ان کے ساتھ ایک مضبوط رشتہ قائم ہے جس سے انہیں ایک ذہنی تحفظ حاصل ہے' تاکہ ہر وہ کام کرتے رہیں جو دین اسلام میں نہیں ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ سود حرام ہے بے دھڑک سودی کاروبار جاری ہے۔ پرائز بانڈ جو سراسر جوا ہے عوام کی ایک عظیم اکثریت اس میں ملوث ہے۔ جھوٹ بددیانتی' ملاوٹ' جعلسازی' دھوکہ' وعدہ خلافی' یہ سب ہنرمندی شمار ہوتے ہیں۔ رشوت کو "مجبوری" سمجھا جاتا ہے اور رسومات ادا کر کے سمجھ لیا جاتا ہے کہ گناہوں کا کفارہ ادا ہو گیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے بغیر نہ دین کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ دین پر چلا جا سکتا ہے' نہ حق و باطل میں تمیز کی جا سکتی ہے مگر اس کتاب کے ساتھ عوام الناس کا رشتہ کٹ گیا ہے بلکہ کاٹ دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی صرف تلاوت کر لیا کرو بس یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ سمجھ کر مت پڑھنا سمجھ کر پڑھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اس کو سمجھنے کے لئے چودہ علوم سیکھنے پڑیں گے۔

وہ کتاب جو دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے آئی تھی اس کے ساتھ اس کے ماننے والوں کا یہ سلوک اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ ہم نے اسے صرف حصول برکت کا ذریعہ بنا رکھا ہے' زندگی کے اصل معاملات سے اس کتاب کا تعلق کاٹ دیا گیا ہے یہاں تک کہ دینی مدارس میں اس کا گزر واجبی سا ہے۔ دینی جماعتوں کا معاملہ بھی کچھ کم نہیں ہے اس کی فضیلت تو خوب خوب بیان کی جاتی ہے مگر اس سے راہنمائی حاصل نہیں کی جاتی بس تبرک کے طور پر تلاوت کر لی جاتی ہے۔

کچھ جماعتیں ایسی بھی ہیں جو کہتی ہیں کہ یہ کتاب ایک نظام رکھتی ہے اور اس نظام کو قائم کرنا اس کے ماننے والوں پر فرض ہے لیکن ان کا یہ حال ہے کہ ان کے ماننے والوں کے کردار سے اعراض کرتی ہیں عوام الناس سے ڈرتی ہیں کہ اگر ان کے کردار پر گرفت کی گئی تو ہماری گرفت ان پر ڈھیلی ہو جائے گی اور آئندہ الیکشن میں ان کے ووٹ سے محروم ہونا پڑے گا۔ یہ خوف انہیں حق بات کہنے سے روکتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے خوف کے ساتھ کسی دوسرے خوف کو جمع کرنا یہی تو شرک ہے۔

ہمارے معاشرے کا اصل مرض یہی ہے۔ ہم اگر اپنے معاشرے کو ایک بستی تصور کر لیں تو اب اس بستی کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ انہیں

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

امراض اور ان کی دوا

رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "کوئی مرض لاعلاج نہیں"

عقائدِ فاسدہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے نجات کے بغیر کامیابی ناممکن ہے

ڈاکٹر خالد حسین جلیسی

آج امت مسلمہ ساری دنیا میں طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہے۔ کہیں آزادی و خود مختاری کا مسئلہ ہے، کہیں امن و امان کا اور صحت عامہ کے مسائل سے تو پوری دنیا دوچار ہے۔ نئے نئے امراض کا پیدا ہونا اور لاتعداد امراض کا لاعلاج ہونا اہل مغرب کے لئے ایک چیلنج ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد کہ "کوئی مرض لاعلاج نہیں" کے برعکس ہمارے اردگرد سینکڑوں لاعلاج امراض نظر آتے ہیں۔ میرے ناقص علم کے مطابق ان لاعلاج امراض کے موجود ہونے میں ہمارے اعمال کا بڑا ہاتھ ہے۔ دین سے دوری، قرآن و حدیث کا علم نہ ہونا اور حرام و خبیث اشیاء کے دانستہ و نادانستہ استعمال نے ہمیں اس منزل تک پہنچایا ہے جن کی وجہ سے ہم عقائد فاسدہ و اخلاق ذمیمہ کے شکار ہیں اور مختلف قسم کے امراض باطنی و امراض ظاہری میں گرفتار ہیں۔ آج سے پندرہ سال پہلے اہل علم اور اہل قلم حضرات نے درآمد شدہ Gelation یا Gel (جو ایک سیال مادہ ہوتا ہے جس میں زیادہ جزو جانوروں کی کھال ہڈیوں اور کھروں کا ہوتا ہے) میں خنزیر اور دوسرے حرام جانوروں کے جزو کی نشاندہی کی۔ یہ Gel جیلی پوڈر۔ دواؤں آرائش حسن اور آرائش گیسو میں مستعمل ہے۔ اہل قلم کے توجہ دلانے پر جیلی پوڈر بنانے والے اداروں نے ہوش کے ناخن لئے اور ڈبوں پر "حلال اجزا سے تیار شدہ" لکھنا شروع کر دیا۔ لیکن آج بھی درآمد شدہ Gel میں حرام اور حلال کا کوئی امتیاز نہیں۔

اسی طرح Pepsin کی مثال ہے جو اہل مغرب عموی طور پر خنزیر کتے لومڑی وغیرہ کے جگر معدے اور خون سے حاصل کرتے ہیں اور ہماری ایلوپیتھک ادویات خصوصاً اصلاح ہاضمہ اور طاقت کی ادویات میں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی کالے رنگ کے کولا مشروب ہوتے ہیں سب میں Pepsin کا جزو ہوتا ہے جو درآمد شدہ ہے۔ اسی طرح اہل مغرب سے درآمد شدہ "چیز" "پنیر" اور "چاکلیٹ" میں حرام جانوروں کا دودھ شامل ہوتا ہے۔ خنزیر کی چربی کے علاوہ ہر چربی انسانی جسم پر پگھل جاتی ہے۔ درآمد شدہ لپ اسٹک میں اس چربی کو شامل کیا جاتا ہے۔ اہل مغرب نے انہیں نہایت خوبصورت کیمیائی ناموں سے موسوم کر دیا ہے۔ ۸۰ء کے عشرے میں اہل علم ایلوپیتھ طبیبوں اور علمائے دین کی کاوشوں سے پاکستان کی تمام دواؤں کو الکحل سے نجات ملی خصوصاً کھانسی کے اور طاقت کے شربتوں کو لیکن اب بھی ہماری دوائیں مکمل طور پر حرام اور خبیث اجزاء سے پاک نہیں ہو سکی ہیں کیونکہ تمام دواؤں کا خام مال اہل مغرب سے درآمد شدہ ہے اور پاکستان میں اس خام مال کو فارمولے کے مطابق Mixing کے مرحلے سے گزارا جاتا ہے۔

آج کے دور میں جدید طبی سائنس کے دور میں یہود و نصاریٰ کی تقلید اور اہل مغرب کی نقالی نے انسانی صحت کے لئے لاتعداد لاینحل مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ ایک طرف تو لاعلاج امراض موجود ہیں اور دوسری طرف مغرب سے درآمد شدہ ادویات کی گراں باری۔ اس پہ طرہ یہ کہ پھر بھی کامل شفایابی نایاب۔

قادر مطلق نے جس خطہ زمین پر جس قسم کے امراض پیدا فرمائے ہیں اسی خطہ ارض پر ان امراض کے علاج کی مناسبت سے نباتات، جمادات، حیوانات اور معدنیات کو وجود بخشا ہے۔ قدرت کا یہ نظام ابتدائے آفرینش سے آج تک قائم ہے۔ پھر ہم اپنے ملک میں ان تمام امراض کا تریاق تلاش کرنے میں کیوں ناکام رہے۔ ہم میں سے کوئی لقمان کیوں نہیں پیدا ہو رہا۔ اس لئے کہ ہم نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا۔ احکامات ربانی و ارشادات ربانی کو پس پشت ڈال دیا اور دین سیکھنے کا ہمارے پاس وقت نہیں۔ دراصل تمام علوم و فنون مخلوق میں بواسطہ پیغمبر علیہ السلام ظاہر کئے گئے۔ حتیٰ کہ فن حدادی (لوہار) اور فن خیاطی (درزی) بھی بواسطہ پیغمبرانؑ ظاہر کئے گئے تو علم الادویہ و علم الامراض اور علم العلاج بھی کتاب اللہ کو سمجھنے اور رسول اکرمؐ کے طریقوں پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہو گا۔ ان علوم کی حکمت کمال عبادت و بندگی ہی سے حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے بارے میں فرماتا ہے:

"یہ (قرآن حکیم) مفصل بیان ہے ہر چیز کا۔ اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے"۔

(یوسف : ۱۱۱)

پھر رسول اکرمؐ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اللہ نے آپؐ پر کتاب و حکمت اتاری اور آپؐ کو وہ (سب کچھ) سکھا دیا جو آپؐ نہ جانتے تھے"۔ (النساء : ۱۱۲)

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ عامۃ الناس کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا ہو گئی اسے خیر کثیر عطا ہو گئی اور نصیحت تو بس صاحبان فہم ہی قبول کرتے ہیں"۔

(البقرہ : ۲۶۹)

یعنی حصول حکمت کا فارمولا بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ عقل سلیم کی وجہ سے نصیحت کو قبول کرنا۔ اس نصیحت پر عمل کرنا اور نصیحت پر عمل کرنے کی وجہ سے عطائے حکمت اللہ کا قانون ہے۔ حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی (اور یہ حکم) کہ اللہ کا شکر ادا کرتے رہو۔

یعنی کمال عبادت و بندگی کے نتیجے میں حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی گئی اور اس حکمت کو اور بڑھانے کے لئے شکر کرنے کا حکم دیا گیا۔ زبان سے

اللہ کی تعریف لسانی شکر ہے۔ ذکر قلبی کا شمار قلبی شکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حکمت و نعمت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شکر کی عملی صورت ہے۔

لفظ حکیم کی نسبت جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس سے تمام علوم کی معرفت اور ان اشیاء کی بہترین طریقے پر تخلیق کرنا مراد ہے۔ لفظ "حکمت" کو عوام الناس کی طرف نسبت کرنے کے بارے میں مفسرین کرام امام فخر الدین عمر رازی اپنی تفسیر "مفاتیح الغیب" اور حافظ الدین محمود ابوالبرکات النسفی الحنفی اپنی تفسیر "مدارک التنزیل" میں لکھتے ہیں کہ اس لفظ سے مراد ہے "علم صحیح کے مطابق عمل صحیح کرنا"۔

تو علم صحیح یعنی قرآن حکیم کی ہدایت کے عین مطابق عمل کرنا ہی حصول حکمت کا سبب ہے۔ عمل کا علم کے تابع ہونا ہی ایمان کا پیمانہ ہے اور ایمان کامل ہونے کے صلے میں انعامات خداوندی کا حصول حکمت ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

ولایت' بادشاہی' علم' اشیائے جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

سورۂ حم السجدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

(اے رسول ؐ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) ایمان والوں کے لئے ہدایت و شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے۔ اور وہ (قرآن) ان کے حق میں نابینائی ہے"۔
(حم السجدہ : ۴۴)

یہاں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو یعنی احکامات قرآنی کے تحت عمل صالح کرنے والوں کو ہدایت یافتہ اور شفایاب قرار دے رہا ہے اور جو لوگ احکامات الٰہی کے نافرمان ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ وہ شفایاب کیا ہوں گے۔ وہ تو ظاہری طور پر بھی بصارت و سماعت سے محروم ہیں۔ یہاں شفاء سے مراد امراض باطنی سے شفاء ہے۔ اسی مضمون کی مزید صراحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کا اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے"۔ (بنی اسرائیل : ۸۲)

آیت مندرجہ بالا میں شفا سے مراد عقائد فاسدہ اور اعمال فاسدہ سے نجات حاصل کر لیں وہی "صاحب ایمان" ہیں اور احکامات الٰہی پر ان کا عمل خود بخود رحمت الٰہی کا جاذب ہو جائے گا۔ برخلاف اس کے جو لوگ صاحب ایمان نہ ہوں اللہ تعالیٰ انہیں ظالم کہہ رہا ہے۔ یعنی وہ لوگ قرآنی حقائق کو بنظر انصاف نہیں دیکھتے۔ قرآن کے تقاضا ایمان پر پورا نہیں اترتے۔ ان کا عمل ان کے ایمان کی گواہی نہیں دیتا۔ وہ تابع سنت نہیں ہیں وہ بے دل ہیں بے انصاف ہیں اندھیروں میں ہیں' اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ شفاء و رحمت کے حقدار ہونے کے بجائے' امراض باطن و ظاہری میں گرفتار ہیں اللہ کے غضب کا شکار ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ نقصان اٹھا رہے ہیں بلکہ ان کا نقصان بڑھتا ہی جائے گا۔ تاوقتیکہ وہ صراط مستقیم پر نہ آ جائیں۔ عامتہ الناس سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"اے لوگو یقیناً تمہارے پاس نصیحت (موعظت) تمہارے پروردگار کے پاس سے آگہی اور شفا بھی (ان بیماریوں کے لئے) جو سینے میں ہوتی ہیں اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے"۔ (یونس : ۵۷)

آیت درج بالا میں اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو کمال پر پہنچانے کے لئے چار منازل کا تذکرہ کیا ہے کہ اول موعظت یعنی اعمال بد اور معاصی سے کنارہ کش ہونے کی نصیحت دوم اخلاق ذمیمہ و عقائد فاسدہ سے نجات کی صورت میں سینے کی بیماریوں سے شفاء' سوم عقائد حقہ و اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونے کے نتیجے میں صاحب ہدایت ہونا اور یہ منازل حاصل کرنے پر انوار الٰہی سے جگمگا اٹھنے کا مقام۔

مفسرین کرام نے آیات متذکرہ بالا میں شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُور کا ترجمہ "سینے کے اندر کی بیماریاں اور دلوں کی بیماریاں" کیا ہے اور ان بیماریوں سے نجات کا مطلب باطنی امراض' عقائد فاسدہ و اخلاق ذمیمہ سے نجات لیا ہے۔ عقائد فاسدہ شرک نفاق اور ریا کا احاطہ کرتا ہے اور اخلاق ذمیمہ میں جھوٹ' غیبت' فریب' دھوکا' بے ایمانی' خیانت' حسد رنجش' بغض' کینہ' قطع رحمی' ایفائے عہد نہ کرنا۔ حقوق العباد ادا نہ کرنا شامل ہیں۔ یہاں پر تین انتہائی اہم نکات جو قرآن شریف سے ہمیں ملتے ہیں لائق توجہ ہیں جو امراض کی ماہیت یعنی مرض کیوں پیدا ہوا' کہاں پیدا ہوا' اور کیسے جائے گا؟ کا جواب ہیں۔ نکتہ اول یہ ہے کہ اول تو مرض سب سے پہلے سینے یا دل میں پیدا ہوتا ہے۔ نکتہ دوم یہ ہے کہ مرض' اخلاق ذمیمہ و عقائد فاسدہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے نکتہ سوم یہ ہے کہ مرض نزول شفاء کی وجہ سے جائے گا اور شفاء نصیحت و ہدایت مان لینے کی وجہ سے قلب میں یا سینے میں نازل ہو گی۔ تو ثابت ہوا کہ عمل شفایابی میں عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ سے نجات کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔

اردو' عربی اور فارسی میں بھی محاورے دل سے متعلق موجود ہیں مثلاً دل چاہنا' دل بے چین ہونا' دل کو سکون ملنا' دل میں پڑھنا' ایمان کا دل میں ہونا' دل کا نور ایمان سے بھرنا' دل میں کینہ ہونا' دل میں وسوسہ پیدا ہونا' قلب کا جاری ہونا' قلب کا ذکر کرنا سب عین قرآن کے مطابق ہیں۔ جیسے القاء نفس' القائے شیطان' القائے روح' القائے عقل اور القائے متین کا دل پر ہونا۔ اسی طرح سینے سے متعلق محاورے مثلاً سینہ فراخ ہونا (شرح صدر) سینہ کشادہ ہونا وسوسہ کا سینے میں پیدا ہونا بھی بمطابق قرآن ہیں۔

اہل مغرب سے متاثر عصر حاضر کا طبیب یہود و نصاریٰ کی تقلید میں دل کے ان تمام احساسات و جذبات کا شعر و ادب کی حد تک تو قائل ہے اور جدید طبی سائنس کی رو سے دل کے ان متذکرہ افعال و خواص کا ذمہ دار دل کی بجائے دماغ کو قرار دیتا ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث کی رو سے دل حاکم ہے اور دماغ محکوم۔ عہد حاضر میں طبیب دل کو صرف خون پمپ کرنے والے عضو سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اب ان اہل مغرب اور ان کے مقلدوں کو کون سمجھائے جس کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی ہے تو دیوار کیسے سیدھی ہو گی۔ اہل مغرب کے برخلاف اطبائے متقدمین قلب کو روح حیوانی کا مسکن مانتے تھے اور قلب کے حاکم ہونے کے نظریہ پر قائم تھے۔ مایہ ناز طبیب شیخ بو علی سینا لکھ رہے ہیں۔

"قلب روح حیوانی کا مسکن ہیں۔ اسی سے قویٰ حیوانیہ قائم ہوتے ہیں۔ جب یہ روح حیوانی قلب سے دماغ میں پہنچتی ہے تو وہاں ایک مخصوص مزاج حاصل کر کے وہ روح نفسانی بن جاتی ہے اور پھر قوت نفسانیہ کے اعمال ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح جگر میں جب وہ پہنچتی ہے تو ایک مخصوص مزاج حاصل کر کے روح طبعی بن جاتا ہے اور اس طرح قوت طبیعہ کے افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ (القانون فی الطب جلد ۱)

مشہور طبیب علی ابن عباس مجوسی بھی اسی نظریہ کے حامل ہیں۔ (کامل الصناعۃ صفحہ صفحہ ۱۵۰-۱۴۹)

مشہور زمانہ طبیب ابوالحسن علی بن سہل ابن طبری کے یہاں روح کی جگہ نفس حیوانیہ اور نفس حسیہ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں اور اول الذکر کا مرکز قلب اور موخر الذکر کا دماغ کو قرار دیا ہے۔ (فردوس الحکمہ)

اطبائے قدیم جالینوس۔ ابوسہک مسیحی اور علامہ

ابن رشد صرف روح حیوانی کے قائل تھے اور اس کا مسکن قلب کو مانتے تھے اور قلب کو حاکم اور تمام اعضاء کو محکوم مانتے تھے۔ (۱۔ بحوالہ افادیہ کبیر ۲۔ مائد مسیحی ۳۔ کتاب الکلیات)

اہل مغرب سے متاثر دور جدید کے طبیب گرامی فلسفہ روح کو سمجھ لیں تو روح حیوانیہ کے متاثر ہونے کے نتیجے میں باطنی اور ظاہری امراض قلب کا ظہور ہونا اور وقت پر تدارک نہ ہونے سے روح نفسانی کا متاثر ہونا اور اس کے نتیجے میں نفسیاتی عوارض کا پیدا ہونا اور بالآخر روح طبعی کا متاثر ہونا اور مختلف قسم کے جسمانی عوارض کا پیدا ہونا باآسانی سمجھ میں آ جائے گا۔ گو جدید طبی سائنس کے نقطہ نظر سے روح کا قلب میں مسکن ہونا اور قلب کا تمام اعضاء اور تمام افعال کا حاکم ہونا ایک خیال خام ہے لیکن روح حیوانیہ یا قلب کے متاثر ہونے کے نتیجے میں عوارض کے پیدا ہونے کا نظریہ قرآن و حدیث سے عین مطابقت رکھتا ہے۔

انسان کے اپنے اعمال بد اور گناہوں کے باعث مختلف امراض میں گرفتار ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو کوئی برا کرے گا۔ اس کا بدلہ ملے گا" (النساء : ۱۲۳)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو عذاب سے چھٹنے کی کوئی صورت نہیں رہی"۔ آپؐ نے فرمایا: "ابوبکرؓ اللہ تجھ کو بخشے۔ کیا تجھ کو بیماری نہیں آتی۔ رنج و غم نہیں آتا۔ مصیبت نہیں آتی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا۔ "کیوں نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا۔ "بس یہی بدلہ ہے"۔ (بخاری شریف)

اسی آیات کے بارے میں ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان بدلوں کی وجہ سے آدمی گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے سرخ سونا بھٹی سے پاک ہو کر نکلتا ہے"۔ (بخاری شریف)

"حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں سے روایت ہے۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان پر دکھ آئے' تکلیف آئے' رنج آئے' غم آئے' صدمہ پہنچے' ایذا ہو' یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر چبھے ہر بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اتارتا ہے"۔ (بخاری شریف)

تو درج بالا احکامات قرآنی اور احادیث نبویؐ کی روح سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ دکھ رنج و غم اور بیماری انسانی کے اپنے ہاتھوں سے کمائے ہوئے گناہوں کے نتیجے میں وارد ہوتے ہیں اور ان امراض میں مبتلا ہونے کے باعث ان گناہوں کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ یہ "ستار العیوب" و "غفار الذنوب" کی صفات کریمی و رحیمی کی ہلکی سی جھلک ہے کہ دنیا ہی میں تھوڑی سی سزا دے کر اعمال بد سے پاک کر دیا دکھ' تکلیف' غم اور بیماری۔

واضح رہے کہ بیماری میں اولیاء اللہ صالحین اور انبیاء و رسل بھی مبتلا ہوئے لیکن ان کے مسائل و آلام اعمال بد کا نتیجہ نہ تھے۔ بلکہ حکمت خداوندی کے تحت آزمائش مومن بقدر ایمان کا امتحان تھا۔ اور تسلیم و رضا' صبر و شکر اور رضا بالقضا کی بنا پر ان کے ارفع درجات کا باعث تھا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔

"ہم گروہ انبیاء بالحاظ بالا و مصیبت' اور لوگوں سے شدید تر ہیں۔ پھر انبیاء کے بعد (اسی طرح) درجہ بدرجہ" (دوسرے لوگوں کی آزمائش ہے) (فتوح الغیب)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "ایک مرتبہ آنحضرتؐ کو سخت بخار تھا۔ میں آپؐ کے پاس گیا اور ہاتھ لگایا میں نے عرض کیا آپؐ کو جب بھی بخار ہوتا ہے بہت سخت ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا: ہاں! مجھ کو اتنا سخت بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ملا کر ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا آپؐ کو ثواب بھی دگنا ملتا ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اس کے بعد ارشاد فرمایا: "جس مسلمان کو کوئی تکلیف یا بیماری وغیرہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ جھاڑ دے گا جیسے درخت خزاں میں اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے"۔ (بخاری شریف) (بشکریہ "جنگ")

جاپان ـــــ سرزمین علم و ہنر

جاپان میں شرح خواندگی ۱۴۰ فیصد ہے

جاپانی اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں ابتدائی تعلیم کی سطح ہائی سکول ہے اور یہ بارھویں جماعت میں مکمل ہوتی ہے' یعنی پاکستان کے انٹرمیڈیٹ کے مساوی ہے۔ یہ سطح ۱۹۵۲ء ہی میں سو فیصد شرح خواندگی تک حاصل کر لی گئی تھی' اب ۴۰ فیصد کا اضافہ ہم اس طرح کرتے ہیں کہ ہائی سکول کے بعد چار سال کا گریجوایشن کورس اور پھر پوسٹ گریجویٹ اور ڈاکٹریٹ کی سطح تک تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد انٹرمیڈیٹ کی بنیادی تعلیم کے بعد ۴۰% تک بڑھ گئی ہے اور اس میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان میں ۷' ۸ فیصد شرح خواندگی ہے۔ (جی ہاں' یونیسکو کی تعریف خواندگی کے مطابق ہمارے ہاں شرح خواندگی یہی ہے' پڑھا لکھا فرد وہ شمار ہوتا ہے جو اخبار پڑھ سکے اور خط لکھ سکے' ہم ناظرہ قرآن اور صرف دستخط کر لینے کی اہلیت کو شمار کر کے ۲۴' ۲۵ فیصد خواندگی کا دعویٰ کرتے ہیں) یہ تفصیلات سن کر میں سناٹے میں آ گیا اور ۱۱ سال قبل کا ایک تلخ تجربہ بھی میرے ذہن میں تازہ ہو گیا۔ ایک دفعہ صدر پاکستان نے اپنے دورۂ جاپان کے موقع پر منتخب دانشوروں' سائنس دانوں اور پروفیسروں کے ایک گروپ سے بھی ملاقات کی تھی' جب انہوں نے فنی علوم کی منتقلی کی خواہش کا اظہار کیا تو جاپان کے ان صاحبان علم و فن نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں صدر سے سوال کیا "جناب صدر! آپ کے ہاں فنی علوم کو وصول کرنے والے ہاتھ کتنے ہیں؟ فزکس کے' میٹرالوجی کے اور کمپیوٹر سائنس کے کتنے پی ایچ ڈی موجود ہیں۔ ان کے اس سوال کا میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہ گیارہ سال پہلے کی بات ہے' آج کی صورتحال کیا ہے؟ کیا کوئی فرق واضح ہوا ہے؟ دراصل ہمارے اور جاپانیوں کے انداز فکر میں ایک بنیادی فرق وہاں ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارا ہے' وہ بحیثیت قوم ترقی کی تمنا رکھتے ہیں' ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ سیاست' معیشت اور انتظامیہ سب پر دو تین سو خاندانوں کی بالادستی کا تسلط اور تسلسل کیسے برقرار رکھا جائے۔ اس سکیم میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی کیا گنجائش؟ اس کے لئے تو اپچی سن کالج' گرامر اور پبلک سکول جیسے اداروں کی ضرورت ہے۔ دوہرے اور طبقاتی معیار تعلیم کی ضرورت ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کے لئے الگ میڈیم کی ضرورت ہے۔ حال ہی میں جو نئی تعلیمی پالیسی قوم کو عطا کی گئی ہے اس کا جائزہ لے کر دیکھئے کہ پس پردہ مقاصد اور محرکات کیا ہیں۔ وہی طبقاتی نظام تعلیم اور وہی دولت سے علم کی وابستگی کا اہتمام۔OO

(بشکریہ : اردو نامہ' لاہور' اکتوبر ۱۹۹۵ء)

ہائے کن ہاتھوں میں تقدیر حنا ٹھہری ہے!

گیاہ ضعیف

ہمارے لیڈر حقوق کی بازیابی کے نعرے پر لوگوں کا استحصال کرتے ہیں

کوچ خراماں خراماں چل رہی تھی۔ جہاں دو چار مسافر نظر آتے کنڈیکٹر کوچ کو رکوا دیتا۔ لوگ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے تھے کیونکہ ہر شخص کو دفتر پہنچنے کی جلدی تھی۔ آخر ایک مسافر سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ چیخ پڑا۔ "او کنڈیکٹر۔ گاڑی تیز چلواؤ۔ یہ کوئی بس یا ویگن نہیں ہے۔ کوچ ہے"۔ "گاڑی چل تو رہی ہے"۔ کنڈیکٹر بولا۔ "اس طرح کوچ چلتی ہے"۔ دوسرے صاحب بولے۔ "آخر ہم پانچ روپے دیتے ہیں۔ زیادہ کرایہ اس لئے تو نہیں دیتے کہ آرام آرام سے گاڑی چلائی جائے"۔ پہلا شخص دوبارہ بولا۔ "صاحب دوسرے لوگ بھی تو دفتر جاتے ہیں۔ انہیں بھی تو سوار کروانا ہوتا ہے"۔ کنڈیکٹر نے جواب دیا۔ "کیا تم نے تمام سواریوں کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے؟"۔ پہلا شخص کنڈیکٹر سے الجھتے ہوئے بولا۔ "او کنڈیکٹر۔ صاحب کو پانچ روپے واپس کرو اور انہیں نیچے اتار دو"۔ اب کے ڈرائیور کی باری تھی۔ "کیوں پانچ روپے واپس لوں۔ ایک تو پندرہ بیس منٹ گاڑی کا انتظار کیا ہے۔ اب کہتے ہو اتر جاؤں"۔ وہ صاحب بولے۔ "گھر سے سویرے نکلا کرو۔ انتظار تو کرنا پڑتا ہے"۔ کنڈیکٹر نے کہا۔ بات الجھتی جا رہی تھی۔ کوچ رکی کھڑی تھی۔ "میں نہیں اترتا نیچے۔ اور اتارنا ہے تو سب کو اتارو۔ کوئی اس کوچ سے نہیں جائے گا"۔ وہ صاحب پھر بولے۔ "جانے دیں خان صاحب۔ گاڑی چلائیں"۔ ایک اور صاحب بولے۔ "نہیں جناب' اب یہ صاحب اتریں گے تو گاڑی چلے گی"۔ لو میں کیوں اتروں۔ اتریں گے تو سب اتریں گے"۔ تو تو میں میں بڑھتی جا رہی تھی۔ لوگ اس ڈیڈ لاک سے پریشان تھے۔ "میں کہتا ہوں کہ ہم نے پانچ روپے دیئے ہیں۔ یہ ہمارا حق ہے کہ گاڑی تیز چلوائیں"۔ وہ صاحب بھی اڑے ہوئے تھے۔ "لگتا ہے گھر والی نے ان کی حق تلفی کی ہے جبھی یہ بات بڑھانے پر تلے ہوئے ہیں"۔ پیچھے سے آواز آئی۔ ایک بزرگ ان صاحب کو قائل کرنے کی کوشش کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح وہ خاموش ہو جائیں۔ لیکن وہ بھی اڑیل ٹٹو کی طرح اڑے ہوئے تھے۔ "نہیں جی اتریں گے تو سب اتریں گے۔ میں اکیلا کیوں اتروں؟ آخر جب وہ بزرگ انہیں سمجھانے میں ناکام ہو گئے تو گرجدار آواز میں بولے۔ "خاموش رہیں۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی۔ آپ تو روزانہ بسوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہ میں خود دیکھ چکا ہوں۔ آپ کی کٹ حجتی کی وجہ سے سب کو دیر ہو رہی ہے"۔ پھر انہوں نے ڈرائیور کو کہا۔ "بھائی یہ اپنی عادت سے مجبور ہیں۔ آپ گاڑی چلائیں"۔ آخر بڑی حیل و حجت کے بعد کوچ دوبارہ اسٹارٹ ہوئی اور اپنی منزل مقصود کی طرف چلی۔ وہ صاحب بیٹھے مستقل بڑبڑاتے رہے۔ "ایک تو لوگوں کو اپنے حقوق کا احساس نہیں اور جب کوئی آواز بلند کرے تو اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے"۔

> "پہلے تو ان صاحب نے مہاجر قومیت کا نعرہ بلند کر کے اپنے لوگوں کو بقیہ قوم سے کاٹ دیا۔ پھر اپنی حماقتوں اور ناعاقبت اندیشیوں سے پوری قوم کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ حال یہ ہے کہ قوم پر مصیبت پڑی ہے اور وہ دور سے بیٹھے واویلا کر رہے ہیں"

میں سوچ رہا تھا کہ اصولاً تو صحیح بات ہے کہ لوگوں کو اپنے حقوق کا شعور ہونا چاہئے اور اگر حق تلفی ہو رہی ہو تو اس کے خلاف آواز بلند ہونی چاہئے۔ لیکن اس کا کیا جائے کہ ہم نے ہر بھلے کام کو بدنام کر کے چھوڑا ہے۔ اگرچہ سارے مسافر کوچ کی سست روی پر پریشان تھے۔ اور یہ صاحب اس کا کوئی حل تجویز کرتے تو سب کو ان کی حمایت حاصل ہوتی۔ مگر انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی کے باعث گاڑی رکوا کر الٹا تاخیر کی صورت پیدا کر دی۔ لوگوں کا مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ جلد دفتر پہنچیں نہ کہ محاذ آرائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسافروں کی ان کے لئے حمایت مخالفت میں بدل گئی۔ آج ہمارے شہر کراچی کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ کچھ لوگوں نے محسوس کیا کہ لوگوں کی حق تلفی ہو رہی ہے تو انہوں نے حقوق کا نعرہ بلند کیا' لوگوں کو کیا چاہئے تھا سب نے انہیں اپنا لیڈر بنا لیا۔ پہلے تو ان صاحب نے مہاجر قومیت کا نعرہ بلند کر کے اپنے لوگوں کو بقیہ قوم سے کاٹ دیا۔ پھر اپنی حماقتوں اور ناعاقبت اندیشیوں سے پوری قوم کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ حال یہ ہے کہ قوم پر مصیبت پڑی ہے اور وہ دور سے بیٹھے واویلا کر رہے ہیں۔ کبھی سیاسی جماعتوں کی بے حسی کا شکوہ کرتے ہیں کبھی مذہبی جماعتوں کو دہائی دیتے ہیں کبھی اہل وطن سے SOS کی اپیل کرتے ہیں۔ لیکن کوئی ان کی مدد کرے تو کیوں کرے۔ سیاسی جماعتیں ان کے ہرجائی پن کو دیکھ چکی ہیں۔ مذہبی جماعتیں ان کے ظلم و ستم سے گزر چکی ہیں۔ اور قوم ہے کہاں۔ یہ تو پہلے ہی قومیتوں میں بٹی ہوئی ہے آپ نے اور بانٹ کر رکھ دیا۔ اس پر انتہا یہ کہ جغرافیہ بدلنے کی باتیں سن رہے ہیں۔ ایک جغرافیائی وحدت میں کئی قومیتیں تو رہ سکتی ہیں لیکن جو جغرافیہ ہی بدلنے کی بات کی جائے گی تو کون آپ کا ساتھ دے گا۔ ہاں ساتھ دیں گے ہمارے وہ دشمن جو پہلے بھی اس ملک کو آدھا کر چکے ہیں' لیکن وہ ساتھ دیں گے اپنے مفادات کی خاطر۔ جب پاکستان جغرافیائی اور سیاسی طور پر ایک ہونے کے باوجود امریکہ کے ریموٹ کنٹرول میں ہے تو جغرافیائی حدود کے بدل جانے کے بعد آپ کی کیا حیثیت ہو گی۔

خدارا عوام کو بھی غور کرنا چاہئے کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" کے خوبصورت نعرے پر بننے والے اس ملک کو ہمارے لیڈر کہاں لے آئے ہیں اور آئندہ کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔

بلکہ دہرا دھوکہ۔ اس لئے کہ ایک تو غاصب کو جائز مالک تسلیم کرانا ہی دھوکہ ہے اور دوسرے جن عرب شخصیات سے "ہاں" کروائی جا رہی ہے وہ برطانیہ اور امریکہ کی اپنی پروردہ شخصیات ہیں جو اپنے عوام کی تائید اور حمایت سے محروم ہیں۔ شاہ ایران نے یہودی ریاست کو تسلیم کرنے کی حامی بھری لیکن وہاں کے عوام نے انہیں چلتا کیا۔ یہ معاملہ اسرائیل کے تسلیم کرنے والے کسی عرب ملک کو بھی پیش آسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ امریکہ ایران انقلاب کی یہ خطا معاف کرنے کے لئے تیار نہیں۔

قانون، تاریخ اور عقل یہودیوں کو فلسطینی عوام تسلیم نہیں کر سکتی کیونکہ وہ کبھی مستقلاً فلسطین میں آباد نہیں رہے بلکہ گھوم پھر کر زندگی گزارتے رہے ہیں اور لگ بھگ دو ہزار سال قبل، عہد عتیق کے آخری ایام میں بڑے پیمانے پر فلسطین کو خیرباد کہہ گئے تھے۔ فلسطین کی جنگ آخر کار عربوں اور فلسطینیوں کے حق میں فیصلہ دے گی جو تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہیں اور ان کا اپنا ایک طاقت ور اور قابل فخر تہذیبی ورثہ ہے۔ وہ اس ظلم کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں جو پچاس لاکھ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر کے یہودی ریاست قائم کر کے ان پر کیا گیا ہے۔

"یہودیوں کی تمام جدید تحریکیں، خواہ وہ صیہونی تحریک ہو یا نازیوں کا تعاقب اور ان کا سارا لٹریچر قسمت کی اس ستم ظریفی کا رونا روتا نظر آتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قسمت کا لکھا ان کے قریب آ رہا ہے جو بالآخر فلسطینیوں کی حکومت پر منتج ہو گا"

وہ یہ کہ یہودیوں کے فلسطین میں رہنے کی ایک ہی صورت ممکن ہو سکتی ہے کہ عربوں اور یہودیوں پر مشتمل ایک مشترک فلسطینی ریاست قائم ہو جائے۔ مگر امریکہ بہ ظاہر "لڑاؤ اور حکومت کرو" divide and rule کے حربے آزما رہا ہے۔ فلسطینیوں کو فلسطینیوں کے خلاف مسلمانوں کو مسلمانوں اور عربوں کو عربوں کے خلاف۔ امریکہ ایسے مسلم حکمرانوں کی پشت پناہی پر کاربند ہے جو اپنے عوام کے خلاف ہوں۔

اگر یہ امریکی حربے سمجھ میں آنے والی بات ہے تو پھر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ امریکہ کے پیروکار اور عرب لیگ یا تنظیم اسلامی ممالک OIC جیسے ادارے مسلمانوں کو باوقار قیادت فراہم کرنے کا ذریعہ ثابت نہیں ہو سکتے۔ امریکی ہتھیاروں اور ڈالروں کا مقابلہ صرف وہ قیادت کر سکتی جو پورے عزم کے ساتھ حق پر ڈٹ جانے والی ہو۔ ایرانی انقلاب یہودی سازش انجام کار ناکام رہے گی کیونکہ ان کی حیثیت کمزور ہے۔ یہودیوں سے زیادہ ان کی تاریخ سے کون واقف ہو سکتا ہے اپنی تین یا چار ہزار سالہ تاریخ میں وہ بہ مشکل ایک یا دو صدیاں اپنی بادشاہت اور سلطنت قائم رکھ سکے ہیں، باقی تمام عرصہ ان کی جہاں گردی اور مصائب کا ہے اور یہودیوں کی تمام جدید تحریکیں، خواہ وہ صیہونی تحریک ہو یا نازیوں کا تعاقب اور ان کا سارا لٹریچر قسمت کی اس ستم ظریفی کا رونا روتا نظر آتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قسمت کا لکھا ان کے قریب آ رہا ہے جو بالآخر فلسطینیوں کی حکومت پر منتج ہو گا۔ جس طرح ابھی حال میں جنوبی افریقہ میں ہوا ہے اور غالباً اسی سے گھبرا کر امریکہ نے یہودی ریاست کو استحکام دلانے کی مہم تیز کر دی ہے لیکن خود یہودی ذہنی طور پر مسلسل اس خوف سے دوچار ہیں جو تاریخی اور واقعاتی طور پر ان پر مسلط ہے۔ بیرون میں فلسطینیوں کا قتل ہو یا رائن کا قتل۔ اس کے پیچھے ان کا یہی اندرونی خوف کارفرما ہے۔ یہودی ریاست کا خواب اینگلو سیکسن طاقت کا مرہون منت ہے اور امریکہ اسے انجام بد سے بچانے کی پوری کوشش کرے گا، اگرچہ یہ ایک مفروضہ ہے لیکن ممکن ہے امریکی کو از خود یہ راستہ نظر آجائے اور سے اب تک اگر کوئی مثبت شے برآمد ہوئی ہے تو وہ یہی ایک شے ہے۔ مسلمان باطل کے خلاف کھڑا رہنا سیکھ لیں مایوسی اور ناامیدی کے بادل چھٹنے لگیں گے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پاکستان کے قیام اور ایران کے انقلاب کے بعد کب اور کہاں روشنی کی نئی کرن پھوٹ پڑے۔ (بشکریہ : فرنٹیئر پوسٹ)

اطلاع

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد نیویارک میں ماہ رمضان کے دوران انگریزی میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کے بعد جمعرات، ۲۹ فروری کو ان شاء اللہ واپس پہنچ رہے ہیں۔

جرم ضعیفی !

زینکا (بوسنیا) بریگیڈیئر جنرل زمال مردان (Dzemal Merdan) کے آراستہ و پیراستہ دفتر میں جو چیز سب سے نمایاں آپ کو نظر آتی ہے وہ ایک بڑے سائز کا جھنڈا ہے۔ مگر یہ جھنڈا بوسنیا کا نہیں، ایران کا ہے۔ اس کے ساتھ صدر علی جاہ عزت بیگووچ کی ڈیمو کریٹک ایکشن پارٹی کا پرچم ہے۔ یہ جھنڈے بوسنیا کی فوج کے لئے امریکی تربیتی پروگرام میں رکاوٹ کا باعث ثابت ہو رہے ہیں۔ ایک سو دس ہزار جوانوں پر مشتمل بوسنیا کی فوج سربوں کے ساتھ جنگ کے دوران بہت بڑی تعداد میں اسلام اور ایران کی طرف مائل ہو چکی ہے، ساتھ ہی عزت بیگووچ کی پارٹی کی بھی مطیع ہے۔ چونکہ بوسنیا کی فوج کی تربیت کا کام مردان کی سربراہی میں عمل میں آنا ہے اس لئے امریکہ کو مجبوراً ان کے منتخب کردہ آدمیوں کو تربیت دینا ہو گی۔

مغربی ذرائع کا کہنا ہے کہ مردان ۱۹۹۲ء سے بوسنیا آنے والے مسلمان مجاہدین کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ بوسنیا کے سپاہیوں پر مشتمل ساتواں مسلم بریگیڈ، جو زیادہ ہی اسلامی ہے مردان نے کھڑا کیا تھا۔ ان کا یہاں تک پروگرام ہے کہ فوجی تربیتی مراکز میں مساجد تعمیر کر کے جوانوں کو ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم سے بھی روشناس کرایا جائے۔ اس سے قبل انہوں نے ایرانی انقلابی دستوں کو بوسنیا میں کام کرنے کی سہولت فراہم کی۔

ڈیٹن معاہدہ کے تحت گزشتہ جمعہ کے روز تک ان تمام "مجاہدین" کو بوسنیا سے نکل جانا تھا جو کہ زیادہ تر جا چکے ہیں لیکن چند ایک کے بارے میں خیال ہے کہ ابھی موجود ہیں چنانچہ نیٹو حکام نے عزت بیگووچ حکومت پر زور دیا ہے کہ انہیں بھی جلد وہاں سے نکال باہر کرے۔

(ڈان : ۲۸، جنوری)

بقیہ : واقعات عالم

پڑوسی داغستان بھی جہاں پر غمالیوں اور انہیں چھڑانے کے لئے دھاوا بولے جانے کا واقعہ پیش آیا' ماسکو سے متنفر نظر آتا ہے اور یہ اندیشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ پورا شمال ہی روسیوں کے خلاف اٹھ کھڑا نہ ہو!! داغستانی پارلیمنٹ کے ایک رکن رمضان عبداللہ تیو کا کہنا تھا کہ ہمارے لئے اپنے عوام کو پر فریب اور مکار روسی حکمرانوں کے حق میں قائل کرنا مشکل ہے۔ بہرحال گزشتہ ہفتے رونما ہونے والے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ روس کے مہذب رویہ اختیار کرنے کی توقعات جلد پوری ہونا مشکل ہیں۔OO

(بشکریہ : فرنٹیر پوسٹ)

بقیہ : اظہار خیال

● میرے نزدیک عورت کا حق خلع ہرگز شوہر کی مرضی کے تابع نہیں ہے لیکن اگر شوہر اپنی بیوی کو اس کے مطالبہ خلع پر خود آزاد کر دے تو یہ بہت اچھا طرز عمل ہے بصورت دیگر عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ برادری کے بزرگوں یا عدالت کے ذریعے شوہر کی مرضی کے خلاف بھی خلع حاصل کر سکتی ہے۔ جہاں تک حلالہ کا تعلق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے جس میں آپؐ نے حلالہ کرنے اور کروانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اس لئے میری نظر میں کسی قانونی حیلے کے ذریعے اس کے جواز کی راہ اختیار کرنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی لعنت سے بے پرواہ ہیں۔ (بشکریہ : سیاسی لوگ)

بقیہ : دین و سیاست

معاشرے میں "اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے" نیز "اسلامی نظام" اور "اسلامی انقلاب" کے نعرے عام ہو گئے ہیں اس لئے جماعت اسلامی نے شاید یہ فرض کر لیا ہے کہ پاکستانی معاشرے نے بھی اسلام کے جامع تصور دین کو سمجھ کر قبول کر لیا ہے اب تو بس اس تصور دین کے لئے قوم کو متحرک (Mobilies) کرنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے چنانچہ محض اظہار قوت اور نعرے بازی سے اس کام کی تکمیل ہو جائے گی۔

شاید یہی وجہ ہے کہ فکری میدان میں جماعت اسلامی کا کام بہت پیچھے چلا گیا ہے اور جماعت اسلامی کے لائحہ عمل کا پہلا جز یعنی "تطہیر و تعمیر فکر" اور دوسرے جزو یعنی "کارکنوں کی تنظیم و تربیت" پر اتنی توجہ نہیں دی جا رہی ہے جتنی توجہ کے بغیر حقیقی انقلاب لانا ممکن نہیں ہے۔

میرے خیال میں یہ ایسا پہلو ہے جس کی طرف جماعت اسلامی کو خصوصی توجہ دینی چاہئے اس سلسلہ میں جماعت اسلامی کو ان لوگوں کا تعاون حاصل کرنے سے بھی گریز نہیں کرنا چاہئے جو خواہ جماعت کے تنظیمی ڈھانچے میں شامل نہیں ہیں مگر جو اصل نظریہ پر قائم ہیں اور اس تعاون کے حصول کے لئے کوئی ایسا وسیع تر فورم یا پلیٹ فارم بنانا چاہئے جس پر ان حضرات کو جمع کر کے خوشدلی کے ساتھ ان کا تعاون حاصل کیا جا سکے۔ جاہلی افکار و نظریات کے رد' اسلامی نظریہ کی پرزور دعوت' کارکنوں کی تنظیم اصلاح و تربیت اور اصلاح معاشرہ کے کاموں میں ان حضرات کی طرف سے جتنی بھی مدد مل جائے وہ اسلامی انقلاب کو برپا کرنے میں ان شاء اللہ بہت مفید اور موثر ثابت ہو گی۔

بقیہ : رجوع الی القرآن

اپنے سابقہ عقائد پر رہنے کی تاکید کر کے اپنی راہ لیں بلکہ یہاں خیمہ زن ہو جائیں اور ایک ایک شخص کو اللہ کی کتاب کے نور سے منور کریں۔ اس کے لئے پہلے خود صاحب کتاب بننا پڑے گا' اس کے لئے وہ والہانہ عشق مطلوب ہے جو دور اول میں نظر آتا ہے۔ جس کے لئے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "بَلِّغُوا عَنِّی وَلَو آیہ" یعنی "اگر ایک آیت ہی تم کو معلوم ہو تو وہ میری طرف سے پھیلاؤ"۔

یہ کتاب جو آج موٹے موٹے غلافوں میں بند کر دی گئی ہے اسے اس سے نکال کر عام کرنا ہو گا لوگوں کو تلاوت کے ساتھ اس کے فہم کی طرف راغب کرنا ہو گا۔ اس کے معنی و مطالب کو ہر گلی اور ہر کوچے میں نشر کرنا ہو گا۔ اس کے احکامات کی طرف بلانا ہو گا۔ اس کے امر و نواہی کو قائم کرنا ہو گا۔ اس عمل کے تسلسل کے بعد ہی وہ وقت آئے گا جب اس کا لایا ہوا نظام اس زمین پر قائم ہو گا۔ اور "کلمۃ اللّٰہ ھی العلیاء" کا نعرہ بلند ہو گا۔ اس سعی و کوشش میں جو لمحات کام آئیں گے وہی کار آمد ہوں گے اور آخرت میں انہیں پر فخر کیا جا سکے گا اس کے لئے کمر ہمت کسنے کی ضرورت ہے۔

اور درحقیقت نبی کا مشن بھی یہی ہے اور ہماری زندگی کا مقصد بھی یہی ہونا چاہئے۔

بقیہ : تعمیر و ترقی

ہوئی دولت ناپسندیدہ تو کیا کسی شخص کی عظمت اور شہرت کی دلیل سمجھی جانے لگتی ہے' گویا معاشرہ بالکل بے حس ہو جاتا ہے۔

۴) انتخابات کا عمل اگر جاری بھی ہو تو ان میں کسی شخص کی عوامی خدمات اور تعمیر و ترقی کے کاموں میں دلچسپی یا دوسرے اہم امور کی بجائے قرابت داری' خاندان' قبیلے یا نسلی رشتوں اور سابقہ احسانات جیسے تعلقات کو ترجیح دی جاتی ہے اور جہاں یہ سلسلے موجود میں نہ ہوں وہاں سیدھا سادہ ووٹ خریدنے کا دھندا اپنایا جاتا ہے اور کامیاب ہو کر یہ پیسہ پورا کر لیا جاتا ہے۔

۵) اس سب کی بنیادی وجہ تعلیم کی کمی اور افرادی وسائل کا بروئے کار نہ آنا ہے۔ اس طرح میدان خالی پا کر قلیل مراعات یافتہ طبقہ تمام وسائل اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اور سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھتا ہے۔

اس کی وجہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ پچھلے چار پانچ سال میں ہی کیوں یکے بعد دیگرے "ناکام" ممالک نمودار ہونے لگے ہیں۔ سرد جنگ کی ضرورت تھی کہ یہ ممالک "مضبوط" نظر آئیں۔ اس کے لئے دونوں بڑی طاقتیں یہاں کے لالچی حکمرانوں کی ناز برداری کرتی رہیں مگر جب یہ ضرورت باقی نہ رہی تو اصل حقیقت چھپی نہ رہ سکی۔ چند سالوں میں روانڈا اور زائرے جیسے مزید بھیانک مناظر سامنے آنے والے ہیں۔ الا یہ کہ کہیں عوام جاگ جائیں اور بروقت اپنے معاملات درست کر لیں۔ یعنی اچھے فرمانروا' صاف ستھرا طرز عمل' ہر ایک کا محاسبہ اور قانون کی حکمرانی۔ (بشکریہ : ("ڈان")

بقیہ : افکار معاصر

انتہاء پسندی کا شکار ہو چکے ہیں کہ موجودہ حالات میں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ میں بنیادی طور پر ملک کے حوالے سے خوش فہم انسان ہوں لیکن لاقانونیت کی آندھی نے میری خوش فہمی کے دیئے بجھا دیئے ہیں اور مجھے یوں لگتا ہے جیسے کینسر کا ناسور پک چکا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب معاشرے کے کینسر کا پھوڑا پک جائے تو اس کا علاج سرجیکل آپریشن سے کیا جاتا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک بڑے سرجیکل آپریشن کا وقت قریب ہے۔ کیا آپ بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں؟

قوموں کے مہلک امراض !

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا !

سرد جنگ کے خاتمہ سے اصل کیفیت ظاہر ہو گئی ہے

روانڈا اور زائرے جیسی مزید مثالیں سامنے آسکتی ہیں

تحریر : ڈاکٹر عشرت حسین (ڈائریکٹر عالمی بینک)

ایک وقت تھا جب کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی حکومت بھی کبھی بھوکی ننگی ہو سکتی ہے۔ یہ ۷۰ کی دہائی کی بات ہے مگر ۱۹۸۲ء میں جو قرضوں کا بحران پیدا ہوا تو پتہ چلا کہ جو حکومت اپنی چادر سے باہر پاؤں پھیلا کر مانگے تانگے سے کام چلانے کی عادی ہوتی ہے وہ خود تو ڈوبتی ہے اپنے عوام کو بھی لے ڈوبتی ہے۔

۱۹۸۰ء کی دہائی کے پہلے نصف میں ایک اور غلط تصور ' جو خاصا عام تھا اپنی موت آپ مرا۔ وہ تصور یہ تھا کہ غریب ممالک تو صرف ایک رخ پر جا سکتے ہیں ' یعنی ترقی اور خوشحالی کی طرف ' ورنہ اور کہاں جا سکتے ہیں ' غریب تو پہلے ہی ہیں ' یہی وجہ ہے کہ غریب ممالک کو دوسرا نام "ترقی پذیر" ممالک دیا گیا۔ اگرچہ بہت سے غریب ممالک کے عوام نے جنہوں نے پوری طرح اپنے آپ کو اس کام میں لگائے رکھا ' قابل ذکر کامیابی حاصل کی مگر اس کے بالکل برعکس بھی سچ ثابت ہوا۔ چنانچہ ایسے ممالک کو چاروں شانے چت "failed" ممالک کا نام دیا گیا۔ نتیجتاً ان ممالک کے حصہ میں درجہ بدرجہ کھلم کھلا خانہ جنگی ' فرقہ وارانہ جنگ اور تصادم سے لے کر عوام میں بے چینی ' دہشت گردی ' گھٹن اور بے اطمینانی کی کیفیات آئیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا علامات ہیں جنہیں دیکھ کر کسی ملک کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکے کہ وہ "ناکام" ملک ہے یا اس کے قریب ہے۔

اگرچہ ہر ملک کی صورتحال قدرے مختلف ہو گی لیکن بعض خصوصیات ایسی ہیں جو تمام "ناکام" ممالک میں مشترکہ نظر آئیں گی ' وہ یہ ہیں :

ا) شہریوں کے جان و مال کو تحفظ فراہم کرنے میں حکومت کی یا تو سرے سے ناکامی یا اسے ایسے طاقتور گروہوں کے شدید چیلنج کا سامنا جو مذہب ' فرقہ ' زبان اور نسل وغیرہ کی بنیاد پر منظم ہوں۔

ب) قانون کی حکمرانی کا خاتمہ ' جائز حقوق پاؤں تلے --- جنگل کے قانون کا راج ' جس میں ہر شخص مدمقابل کسی نہ کسی مضبوط گروہ کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور ہو۔ حکمران منہ زور ہو کر من مانی کرنے لگیں ' خود کو قانون سے بالاتر سمجھیں اور بے گناہ اور بے بس شہریوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے قانون کا اندھا دھند اطلاق کریں۔

ج) ٹیکس چوری ' غیر قانونی ' چھپی دولت ' مالی معاملات میں ہیرا پھیری ' درآمدات میں جعل سازی ' منشیات ' بنکوں کی رقوم ہڑپ کرنے ' سرکاری اہل کاروں اور سیاستدانوں کی رشوت اور کمیشن کی آمدنی۔ یہ سب مل کر اصل معیشت سے تجاوز کر جائیں یا کم از کم اس کے برابر ہو جائیں۔

د) بنیادی ڈھانچہ ' مفاد عامہ اور ناگزیر ضروریات زندگی مثلاً پانی ' بجلی ' سڑکیں ' ٹیلیفون ' تعلیم ' صحت وغیرہ اس قدر نایاب اور مہنگی ہو جائیں کہ عام آدمی کی ان تک رسائی ناممکن بنا دی جائے۔ نیز یہ گرانی ایک مخصوص طبقے کے ذاتی فائدے کے لئے ہو ' نہ کہ عوام کے وسیع تر مفاد میں۔

ر) معاشرے میں رواداری ' تعاون ' قرابت ' ہمدردی کے جذبات پروان چڑھنے کی بجائے بداعتمادی ' شکوک و شبہات ' خوف و ہراس کی فضا عام ہو اور انسانی جان کی قدر و قیمت باقی نہ رہے۔

ناکام ممالک کی مشترک خصوصیات جاننے کے بعد اب آئیں دیکھیں وہ کون سے عوامل ہیں جو ان خصوصیات کے پنپنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں بھی کسی ایک ملک پر توجہ مرکوز کرنے کی بجائے عمومی نوعیت کے عوامل کی نشاندہی مناسب ہو گی۔

۱) ملٹری و سول نوکر شاہی اور سیاستدانوں پر مشتمل ایک چھوٹا مراعات یافتہ طبقہ اقتدار پر قبضہ جما لیتا ہے اور وقفے وقفے سے اپنے ہی درمیان اسے گردش میں لاتا رہتا ہے ' اس طبقے کے پیش نظر اپنے ذاتی مفادات کے علاوہ کوئی اصول نہیں ہوتا۔ جب ایک مخصوص گروہ دیکھتا ہے کہ دوسرے گروہ نے کافی دولت ہتھیا لی ہے تو تبدیلی ' تبدیلی کا نعرہ بلند ہونے لگتا ہے۔ محلاتی سازشیں تیزی پکڑ لیتی ہیں اور انتخابات ' فوجی طاقت یا کسی اور طاقت کے ذریعے حکومتی پارٹی کو کرسی خالی کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

۲) کسی معاشرے میں ماہرین ' درمیانہ طبقہ اور تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل جو موثر قوت موجود ہوتی ہے وہ یا تو مقتدر طبقہ کی جوتیاں سیدھی کرنے میں لگ جاتی ہے یا مایوس ہو کر پس پشت چلی جاتی ہے۔ اہم ریاستی ستون یعنی مقننہ ' عدلیہ ایک دوسرے کے محاسبے اور توازن پیدا کرنے کی بجائے ہم پیالہ و ہم نوالہ بن جاتے ہیں۔

۳) کسی ڈر یا خوف سے بے نیاز حکمران طبقہ اپنے خلاف اٹھنے والی ہر آواز ڈرا دھمکا کر ' جیلوں میں ڈال کر یا لالچ دے کر خاموش کرا دیتا ہے اور پھر یہی معاشرے کا چلن بن جاتا ہے۔ حرام کی کمائی

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

نقطہ نظر

یہودیوں کی پوری تاریخ جہاں گردی پر مشتمل ہے

اسرائیل کو تسلیم کرانے کی امریکی مہم دھوکہ ہے

جس کا مقابلہ باطل کے خلاف ڈٹ جانے والی قیادت ہی کر سکتی ہے

یہودی لگ بھگ دو ہزار سال قبل فلسطین کو خیر آباد کہہ گئے تھے لہٰذا انہیں فلسطینی شمار نہیں کیا جا سکتا

تحریر : غلام حیدر اخذ و ترجمہ سردار اعوان

لوگوں کو کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ طاقت کے ذریعے آباد کرنا یا ان پر سیاسی غلبہ حاصل کرنا اس لئے ناکام ثابت ہوتا ہے کہ اس میں عموماً جبر اور زبردستی کا پہلو ہوتا ہے۔ اور یہ بات انسانوں کے مجموعی مزاج سے لگا نہیں کھاتی۔ سٹالن نے جبراً لوگوں کو ایک خطے سے دوسرے خطے میں لے جا کر بسایا مگر اس سے بدامنی کو ہی تقویت حاصل ہوئی' مقامی لوگ باہر سے آنے والوں کو قبول نہیں کرتے۔ بعض جگہ خصوصی طور پر حالات اس کے لئے موافق ہوں تو استثناعات ہو سکتی ہیں مثلاً کوئی غیر گنجان آباد علاقہ جہاں کی مقامی آبادی پسماندہ ہے۔ جیسا کہ آسٹریلیا اور جنوبی امریکہ کی مثال دی جا سکتی ہے جہاں کی مخلوط آبادی اور ریڈ انڈین نے باہر سے آنے والے سفید فام لوگوں کی راہ میں کوئی خاص رکاوٹ پیش نہ کی۔ اس کے برعکس ہندوستان میں چونکہ آبادی گنجان تھی اور لوگ اپنا اپنا ایک مضبوط مذہبی اور تہذیبی پس منظر رکھتے تھے لہٰذا یہاں حکمران ہونے کے باوجود گورے اپنے قدم نہ جما سکے۔ افغانستان کو اس معاملے میں خاص شہرت حاصل ہے کہ یہاں کبھی باہر سے آنے والے قابض نہیں ہو سکے۔ اور بھی ایسی کئی مثالیں ہیں۔ ۱۹ ویں صدی میں پیچھے چلے جایئے فرانس نے آسٹریلوی پرنس میکسی ملین (Maximilian) کو وہاں کے لوگوں کی مرضی کے بغیر میکسیکو کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ لوگوں نے بغاوت کر کے پرنس کو قتل کر دیا۔ آئرش سرزمین پر انگریز اور سکاٹس پروٹسٹنٹس کی آمد صدیوں سے محاذ آرائی کا سبب بنی ہوئی ہے۔ ابھی حال ہی میں اس طویل جنگ کے خاتمہ کی کچھ امید پیدا ہوئی ہے۔ فلسطین کی آزادی کی جنگ بہت زیادہ پرانی نہیں لیکن نئی بھی نہیں۔ اس میں تین اہم عناصر کارفرما ہیں۔ اینگلو سیکسن امپیریلزم' مسلمان عرب عوام اور یہودی۔ اس میں عربوں کی حیثیت مضبوط اور یہودیوں کی حیثیت ان کے مقابلے میں کمزور ہے۔ فلسطین کی جنگ پہلی جنگ عظیم کے بعد کی پیداوار ہے جب مشرق وسطیٰ کا فاتح' انگریز اس علاقے میں مستقبل کی اپنی کمین گاہیں مقرر کرنے میں مصروف تھا۔ مختلف امارات اور اردن اور عراق میں بادشاہتوں کے قیام کے علاوہ فلسطین میں جہاں اس وقت یہودیوں کی تعداد چند ہزار سے زائد نہ تھی' یہودی ریاست کا قیام اس سلسلے کی ایک کڑی تھی اگرچہ یہ جنگ امریکی شاہکار حالیہ "امن سمجھوتے" کے غبار تلے وقتی طور پر دب گئی ہے مگر اسے ع "آگ دبی ہوئی سمجھ' آگ بجھی ہوئی نہ جان!"

> "فلسطینی جنگ کی ایک لڑائی کی بجائے جنگ کا اختتام یا اختتام کا قرب نہ سمجھ لیا جائے۔ موجودہ لڑائی خلیج میں امریکی جارحیت کا حصہ ہے جس کا ارتکاب اس نے یہودی ریاست کو حقیقت کا روپ دلانے کی خاطر کیا اور جس کا جواز اسے صدام حسین کی حماقتوں نے فراہم کیا"

جنگ تو کسی علاقے میں ایک عرصے تک ہوتی رہتی ہے لیکن اس میں وقفے وقفے سے لڑی جانے والی لڑائیوں میں اونچ نیچ یا ہار جیت کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بالآخر جنگ اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتی ہے اور قسمت جس فریق کی یاوری کرتی ہے وہ فتح سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ ایک تو وہ جنگ ہے جو اسلحہ سے لڑی جاتی ہے لیکن اس کے علاوہ سیاسی یا سیاسی تشدد پر مبنی جنگیں بھی ہوتی ہیں اس میں بھی اسی طرح لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ مثلاً کانگریس اور مسلم لیگ کی (سیاسی) جنگ' جو تیس کی دہائی کے نصف میں شروع ہوئی اور ایک دہائی بعد ۱۹۴۷ء میں ختم ہوئی اور جنوبی افریقہ کے کالوں کی اقلیت پر مبنی باہر سے آئے ہوئے گوروں کی حکمرانی کے خلاف (تشدد انہ سیاسی) جنگ کا خاتمہ حال ہی میں کالوں کی حکومت قائم ہونے سے ہوا ہے۔ ان دونوں جنگوں میں متعدد لڑائیاں پیش آئیں۔ یہ باتیں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل وائٹ ہاؤس میں عرفات اور رابن نے جس سمجھوتے پر دستخط کئے تھے اسے فلسطینی جنگ کی ایک لڑائی کی بجائے جنگ کا اختتام یا اختتام کا قرب نہ سمجھ لیا جائے۔ موجودہ لڑائی خلیج میں امریکی جارحیت کا حصہ ہے جس کا ارتکاب اس نے یہودی ریاست کو حقیقت کا روپ دلانے کی خاطر کیا اور جس کا جواز اسے صدام حسین کی حماقتوں نے فراہم کیا۔

اسرائیل کو تسلیم کرانے کی جس مہم کو امریکہ "امن عمل" کا نام دیتا ہے وہ صاف صاف دھوکہ ہے'

(باقی صفحہ ۲۱ پر)